ماہنامہ

قومی زبان

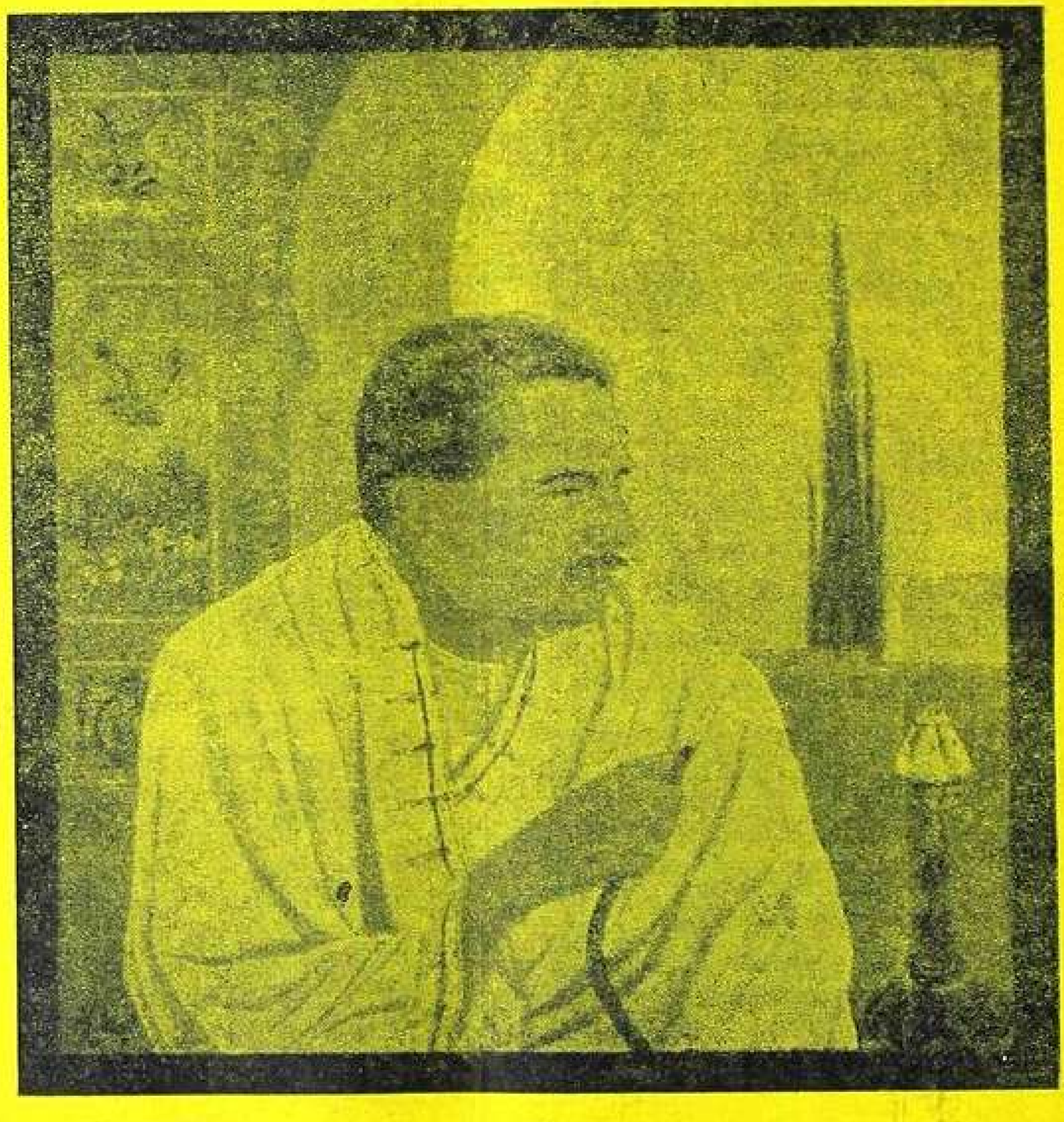

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱۱

ماهنامہ

قومی زبان

کراچی

اپریل ۱۹۸۲ء

جلد ——— ۵۲

شمارہ ——— ۴

قیمت فی پرچہ ——— ایک روپیہ پچاس پیسے

سالانہ قیمت ——— پندرہ روپے

بیرون ملک ——— ستائیس روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ کراچی نمبر ۱

فون : ۲۱۷۱۳۷

فہرست

اداریہ		۳
اقبال اور مغرب	رفیق خاور	۵
اقبال اور سرحد	محمد پرویش شاہین	۱۱
اقبال ایک مستقبل شناس	عابدہ ریاست رضوی	۱۹
اقبال کے دو اساتذہ	میاں محمد صادق	۲۶
بخصورِ اقبال	شیر افضل جعفری	۳۲
ناخن کا قرض ۔ ایک مطالعہ	یونس حسنی	۳۳
گردوپیش		۳۸
رفتارِ ادب		۴۲
نئے خزانے	ابوسلمان شاہجہان پوری	۴۵

ادارہ تحریر

جمیل الدین عالی

سید شیر علی کاظمی

اداریہ

ہم مفکرِ پاکستان علامہ سر محمد اقبالؒ کو اُن کی چوالیسویں برسی پر نیازمندانہ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں اور قومی زبان کے اس شمارے کو مرحوم کے نام نامی سے معنون کرتے ہیں۔ ہمارے لیے فکرِ اقبال وہ سرمایۂ افتخار ہے جس کو ہم ہرگز پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ بیسویں صدی کے آغاز سے فکرِ اقبال نے ایک مستقل موضوع کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اس کے مختلف ادوار ہیں جن پر سیر حاصل تبصرے ہو چکے ہیں۔ ہمیں صرف یہ اعادہ کرنا ہے کہ علامہ کے غور و فکر کی ناقابلِ تقصیر اساس صرف دین اسلام ہے۔ مشرق و مغرب کے حالات اور ان کے فلسفیانہ موازنے کے بعد مرحوم کا اعتقاد اس امر پر راسخ ہو چکا تھا کہ فلاح انسانیت' دین اسلام پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ سائنسی ایجادات اور ان کے استعمال سے مغرب ترقی یافتہ یقیناً ہو گیا تھا۔ اور مشرق کو پس ماندہ قرار دیا جاتا تھا مگر مشرق کی اپنی جداگانہ فکر ہے اور وہ عالمی سطح پر اثر انداز بھی رہ چکی ہے۔ درحقیقت سائنس اور ادب دونوں انسانی فکر کے بہاؤ ہیں اور ان کے مقاصد میں یکسانیت ہے البتہ ان کی راہیں مختلف ہیں اور تہذیب و تمدن کے آغاز میں یہ دونوں ایک ہی تھے۔ بیسویں صدی کے ذہین و مصلح مفکرین کو یہ فکر دامنگیر ہوئی اور وہ ابھی تک قائم ہے کہ مشرق و مغرب کی اتحادی صلاحیتوں کو دریافت کر کے عام کیا جائے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سائنس دانوں کا بڑا طبقہ عوام سے کٹتا جا رہا ہے۔ سائنس اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے مگر سائنس دان فی الحقیقت مذہب و اخلاق سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے یہ فکر موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ادب کے توسل سے دین فطرت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور اعمال صالحہ کی شاعرانہ تبلیغ میں انسانی سیرت کو موضوعِ سخن بتایا ہے۔

ع - قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف'

اس ضمن میں علامہ انسانی خودی کے عروج و تکمیل کے داعی ہیں تاکہ انسان پاک باز ہو جائے۔

ہوئی ہے زیرِ فلک امتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ

ان کا یہ پیغام آج بھی زندہ ہے اور ہم پاکستانیوں کو اتحادِ فکر کی بالخصوص دعوت دے رہا ہے۔ پاکستان اتحادِ فکر اور اتحادِ عمل کا ہی نتیجہ ہے۔

علامہ اقبال اپنی فکر میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کرنے میں بہت نمایاں ہیں۔ ان کی عظمت اور قلندری اس رویے میں

پوشیدہ ہے کہ وہ حضورِ باری تعالیٰ میں التجا کرتے وقت اپنے لیے کچھ نہیں مانگتے۔ ہمیشہ اپنی قوم اور انسان کی بھلائی کے لیے دست بدعا نظر آتے ہیں، وہ مردہ دل انسانوں کو زندہ دل بنانے کے خواہش مند ہیں۔

زمن ہنگامہ دہ ایں جہاں را　　دگرگوں کن زمین و آسمان را
زخاک ما دگر آدم برانگیز　　بکش ایں بندۂ سود و زیاں را

علامہ کے دل میں کل انسانیت کا درد تھا وہ اسلام کو انسانیت کی فلاح کا ضامن قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کو انسانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ علامہ کی فکرِ اعلیٰ کا یہ جزو ہم پاکستانیوں کو گزشتہ پینتیس سال سے دعوتِ عمل دے رہا ہے۔

علامہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے وقت ہمیں مرحوم کا یہ قول یاد آرہا ہے کہ "گیسوئے اردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے" اس سال یوم پاکستان پر مختلف حلقوں سے نفاذِ اردو کی صدائیں اٹھیں۔ ہم ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب کے ہم نوا ہیں اور ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ ہم سے جو بن پڑا وہ ہم نے کیا اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے کہ یہی ہمارا فرضِ منصبی ہے۔

مارچ کے گزشتہ عشرے میں اربابِ اردو کو دو گونہ صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۸۲ء کو اُردو کے مشہور و معروف ادیب و شاعر جناب احسان دانش کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی اور اس عشرے کے اختتام پر یکم اپریل ۱۹۸۲ء کو پیر حسام الدین راشدی نے اس جہانِ فانی سے عالمِ باقی کی راہ لی۔ راشدی مرحوم بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے زمانے سے انجمن ترقی اردو کے معاملات میں ہر سطح پر دلچسپی لیتے تھے وہ اُردو، سندھی اور فارسی کے مستند ادیب تھے۔ سندھی ثقافت کی تدوین میں ان کی مساعی جمیلہ ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ہمارا ارادہ ہے کہ مرحوم کی یاد میں قومی زبان کا خصوصی شمارہ شائع کریں۔ قارئین قومی زبان سے اعانت کی استدعا ہے۔

[قرآنِ حکیم کے مقدس آیات اور احادیثِ نبویؐ آپ کے دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔]

اقبال اور مغرب

رفیق خاور

مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ۔ یہ دونوں ہمکنار نہیں ہو سکتے ۔ جہاں تک مشرق کا تعلق ہے اس نے مغرب کے گرجتے ہوئے لشکر اپنے سینے سے گزار دیئے اور پھر خواب گراں میں کھو کر رہ گیا ۔

یہ تھا مغربی شاعر میتھو آرنلڈ کا تصورِ مشرق جو دورِ جدید میں اقوامِ مغرب کے عروج اور برتری کے احساس کا آئینہ دار ہے ۔ حالانکہ ایک مغربی مورخ ہی کے الفاظ میں مشرق ہمیشہ تلوار اور مغرب سپر رہا ہے ۔ اور مغرب نے مشرق کے خلاف جو بھی معرکہ آرائی کی ہے اس کی حیثیت جوابی حملوں کی ہے ۔ عمل اور ردعمل کا یہ سلسلہ سالہا سال سے جاری ہے اور اس کی تازہ ترین صورت مغرب کی جارحیت کے خلاف مشرق کا ردعمل ہے جس کا ایک نمایاں مظہر اقبال ہیں ۔ آرنلڈ کے خلاف بیداری مشرق کے نقیب "آفتاب از ما و از ما آفتاب" اور دنیائے مغرب کے نکتہ چیں ۔

غور سے دیکھا جائے تو اقبال کا یہ طرزِ عمل حالات کا لازمی نتیجہ تھا اور وہ اس میں تنہا نہ تھے ۔ ان کے تمام معاصر اس میں شریک تھے کیونکہ یہ حالات تمام اقوامِ مشرق پر حاوی تھے ۔ اور یلغارِ مغرب کے سلسلہ میں ان کی روش ٹھیک نہ تھی ۔ ایک عام سیاسی شعور کی رَو تمام اربابِ فکر کے دلوں میں موجزن تھی ۔ اور اقبال نے پہلے پہل اسی جذبے کے تحت مغرب کے خلاف میلان پیدا کیا ۔ چنانچہ اس کی جھلک اس قسم کے اشعار میں دکھائی دیتی ہے ۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دُکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہی زرِ کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

یہاں احساس کی نوعیت دوگونہ ہے ۔ ایک طرف اقبال مغرب کو اس لیے موردِ ملامت ٹھہراتے ہیں کہ اس کا مطمحِ نظر تمام تر ہوسِ ملک گیری ، منفعت اندوزی اور استحصال ہے ۔ جو انسانی نقطۂ نظر سے ناروا ہے ۔ دوسرے تہذیبِ مغرب کو فی نفسہٖ ناقص سمجھتے ہیں اور خود اس کے لیے سامانِ ہلاکت قرار دیتے ہیں ۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ دوگونہ احساس شدید سے شدید تر ہوتا گیا ۔ اقبال کے شعور پہ احساس اس قدر شدت سے طاری ہے کہ یہ ہر کہیں کسی نہ کسی صورت میں رونما ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ وہ بے اختیار مغرب کے بدن کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں ۔ اس کی سیاست ، اس کی معاشرت اس کی حکمت و دانش ان کی رائے میں بنیادی خرابی کے حامل ہیں ۔ نوعِ انسان کے لیے خطرۂ عظیم جس کا ہر لحاظ سے سدباب ضروری ہے ۔

چونکہ یہ سارا معاملہ مغرب اور مشرق کی باہمی آویزش کا معاملہ ہے اس لیے اغلب ہے کہ اقبال کے نقطۂ نظر کو یک

طرف خیال کیا جائے۔ اس لیے صورت حال کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے بہتر ہوگا کہ خود دانشوران مغرب کی آراء کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

اقبال کی نظریات کا ایک اہم موضوع حیات انسانی میں ایمان کی اہمیت ہے یعنی جب تک کوئی زندہ جذبہ اور نصب العین کارفرمائے حیات نہ ہو کوئی قوم نشوونما نہیں پا سکتی۔ ان کے بغیر ترقی کا بلکہ خود زندگی کا تصور محال ہے جس طرح چراغ کے لیے روغن درکار ہے اور وہ اس کی عدم موجودگی میں زیادہ دیر روشن نہیں رہ سکتا اسی طرح ایمان کی حرارت قلب و روح اور وجود کی تب و تاب کو برقرار رکھنے کے لیے لازمی ہے۔ عجب نہیں دین و ایمان کی اس والہانہ تائید و حمایت کو اقبال کے غیر معمولی جذبہ پر محمول کیا جائے۔ اس سلسلہ میں وِل ڈیوران جیسے بالغ نظر مفکر کے یہ الفاظ دلچسپی سے خالی نہیں جس نے انسانی تمدن کی تاریخ گیارہ جلدوں میں مرتب کی ہے اور "اسٹوری آف فلاسفی" ایوانات فلسفہ میں مسائل حیات کا مبسوط جائزہ لیا ہے۔ "آج ہمارا تمدن سطحی نظر آتا ہے، اور ہمارا علم خطرناک کیونکہ ہم آلات میں تو امیر ہیں لیکن مقاصد میں بہت غریب۔ وہ فکری توازن جو کبھی حرارت آفرین مذہبی ایقان و ایمان سے پیدا ہوتا تھا اب رخصت ہو چکا ہے سائنس نے ہم سے اخلاق کی ما فوق الفطرت بنیاد چھین لی ہے اور ساری دنیا خود پرستی اور انفرادیت کی افراتفری میں مبتلا معلوم ہوتی ہے جو ہمارے کردار کے پارہ پارہ ہو کر درہم برہم ہو جانے کی علامت ہے ہم ایک بار پھر اسی مسئلہ سے دوچار ہیں جس سے سقراط دوچار ہوا تھا یہ کہ ہم ایسے فطری اخلاقیات کیسے پیدا کریں جو اُن ما فوق الفطرت قیود و ضوابط اور حدود کی جگہ لے لیں جو انسانی رویہ پر اثر انداز ہونے سے معذور ہو گئے ہیں۔

فلسفہ اور اس جامع نقطۂ نگاہ کے بغیر جو مقاصد کو مربوط اور متحد کرتا اور تمنّاؤں کی درجہ بندی کرتا ہے ہم اپنے معاشری ورثہ کو ایک طرف تنگی پست فطرتی اور دوسری طرف انقلاب ...... کے جنون میں ضائع کرتے ہیں۔ ہم لمحہ بھر میں اس مثالی تصوریت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور مجنونانہ خودکشی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پاس ہزاروں سیاست داں ہیں لیکن مدبر ایک بھی نہیں ہم زمین پر بلا کی تیز رفتاری سے حرکت کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے اور نہ کبھی سوچتے ہیں کہ کدھر جا رہے ہیں یا ہم جس منزل کی طرف گامزن ہیں وہاں پہونچ کر اپنی کلفت زدہ روحوں کے لیے مسرت حاصل کر سکیں گے۔ ہمارا علم ہمیں تباہ کر رہا ہے۔ جس نے ہمیں اقتدار کے نشے میں غرق کر دیا ہے۔ اور ہمیں اس نازک حالت میں دانش و حکمت کے سوا اور کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی۔"

اس سلجھی ہوئی تحریر میں بہت سی باتیں قابل غور ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ الفاظ وِل ڈیوران کے نہیں بلکہ اقبال کے قلم سے نکلے ہیں۔

اول جدید تمدن کی سطحیت جس کا ذکر اقبال نے بھی کیا ہے۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

دلِ بیدار نہ دارند بہ دانائے فرنگ
ایں قدر ہست کہ چشم نگرانے دارد

ان تمام اشعار میں فرنگ پر محض تلخی بغض کی بنا پر تنقید یا تبصرہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسے وجوہ کی بنا پر ہے جو حقیقت پر

معنی ہیں دانائے فرنگ کی دانش وحکمت زیادہ تر سائنس میں ظاہر ہوتی ہے جس کا تعلق طبیعات اور مادیت سے ہے۔ فکر ونظر اور بصیرت کی بجائے آلات وایجادات پر زور ہے جو ایک رُخہ رجحان پیدا کرتے ہیں اور اس سے وہ تمام تنگ نظری اور عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔

جس کے اپنے ہمہ گیر اثر کے باعث تمام دنیا میں ابتری، آشوب خلفشار اور فراج پیدا ہوتا ہے جس کا خود یوروپ شکار ہے اور خود اہل فرنگ اس پر نالاں ہیں۔ سوال مشرق یا مغرب کا نہیں بلکہ تمام انسانیت کا ہے جس کا خاصہ بڑا حصہ مغرب میں تباہی کا شکار ہے۔ اقبال کا مقصد اسی مزاج کی طرف توجہ دلانا ہے جو ظاہر میں تعمیری بھی ہے اور پرُخلوص بھی ڈیوران نے جدید علم کے خطرناک ہونے کا اعتراف کیا ہے اور یہ موٹی سی بات کسی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں...... ایٹم بم، نیوٹرون بم ہائیڈروجن بم، زہریلی گیس شعاع مرگ یا نفسیاتی ہتھیار وغیرہ اور اسی قسم کی دیگر اشیاء اور آلات عالم گیر تشویش کا باعث ہیں اور یہ ایسے وسیع پیمانے پر تباہی وبربادی کا پیش خیمہ ہیں جس سے تہذیب انسانی کے ساتھ حیات انسانی ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی حیات کے ملیا میٹ ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کے اثرات بحر وبر پر آشکار ہو بھی چکے ہیں مثلاً نباتات اور سمندری حیوانات کی تباہی محض فضائی آلودگی ہی کو لیا جائے تو ماہرین کی رائے میں ہم ایسے مقام پر پہونچ چکے ہیں جس سے واپسی کا کوئی صورت نہیں فطرت کو مسخر کرتے کرتے ہم خود اپنی ہی تباہی کے کنارے پہونچ چکے ہیں۔

ہم چاند پر پہونچ کر چہل قدمی کر چکے ہیں اور اثیری لہروں کے ذریعہ ستاروں پر بھی کمندیں ڈال چکے ہیں۔ اور ریڈار اور ٹیلی ویژن کے ذریعے جمشید سے کہیں بڑھ کر جام جہاں نما بھی پیدا کر لیا ہے۔ لیکن کیفیت وہی ہے جو سعدی نے بیان کی تھی۔

تو کارِ زمین رانکو ساختی　　　کہ با آسمان نیز پرداختی

جذبہ وشوق جسے ایقان وایمان یا تصور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی اہمیت ڈیوران کی زبانی سنیے:

"آج فلسفہ کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں رہا کیونکہ ہم جارت کی روح سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ علوم نافعہ (سائنس) کے ظہور نے فلسفہ سے ایک ایک کرکے اس کی قدیم وسیع قلمرو چھین لی ہیں۔

علم ہیئت یا کائنات اب علم نجوم اور علم طبقات بن چکا ہے فلسفۂ قدرت، حیاتیات (علم نباتات وحیوانات) اور طبعیات بن چکا ہے اور ہمارے اپنے زمانے میں فلسفہ باطنی علم النفس بن چکا ہے۔ تمام حقیق اور بنیادی مسائل اس کی دسترس سے باہر ہو چکے ہیں۔ اس کا مادہ کی بابت توانائی اور نشو ونما کے رموز سے کوئی سروکار نہیں رہا وہ ادارہ جس کی آزادی پر فلسفہ سیکڑوں فکری مناقشات میں بحث کرتا تھا۔ جدید زندگی کے وضع سے پامال ہو چکا ہے۔ ریاست کے مسائل کبھی فلسفہ کا موضوع تھے اب ادبی مفکروں کی شکار گاہ بن چکے ہیں اور فلسفہ کا وقار بری طرح گر چکا ہے۔ اب اس کے لیے مابعد الطبعیات کی برفانی چوٹیوں، علم کے طفلانہ چیستانوں اور ایسے اخلاقیت کے مکتبی تنازعوں کے سوا اور کچھ نہیں رہا جس کا نوع انسانی پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔" (یہاں ہمیں بے اختیار ورڈز ورتھ کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں کہ ہم سائنسی تجربات اور

دریافت کے حقایق کے لیے جاندار کو ہلاک کر کے تجزیہ کرتے ہیں)۔
یونانی اور رومن رواقی تھے اس وقت بھی جب وہ تلذذ پرست وایپی قوری تھے
بقولِ غالب : عیش وغم در دل نمی ایستد خوشا آزادگی
بادہ و خونابہ یکساں است در غربال
جب انہیں پتہ چلا کہ عقل تمناؤں کی نقیض ہے اُنہوں نے اس کی معذوری قبول کرلی۔

اگرچہ وہ اس کے دعوں پر زیرلب تبسم کناں تھے پھر کیا ہوا کہ مشرق سے سریان کی روچلی جو اُمیدواری سے ہمیشہ پُربہار اور تازہ دم رہتی ہے اور یونان میں داخل ہوئی اور عنصر کے اِس نازک ضعیف ایشیائی زندگی پر چھاگئی جو یہاں پھیلی ہوئی تھی۔ الٰہی فیضان اور الہام روحانی تسکین کا باعث ہوتے۔ اور جب یونان تباہ ہوگیا اور ہر یونانی مفلوک الحال تھا عقل ناپید ہوگئی۔ اور ایقان نے جو کبھی فنا نہیں ہوتا کلاسیکی دنیا کا خاتمہ کردیا۔ خدا تعالیٰ کے منہ سے حیرت انگیز باتیں صادر ہوتی ہیں۔ خواہ وہ ناممکن ہی کیوں نہ ہوں ان پر یقین کرلینے سے اور بھی جلال کا احساس ہوتا ہے اسی طرح لاکھوں غلاموں کا عقیدہ یومنونَ بالغیب اور محال پر یقین ہوگیا۔

یہ سلسلہ واقعات اس وقت پھر دہرایا گیا جب لوگ زندگی سے تنگ آگئے اور انقلاب۔ دہشت گردی اور ملال سے پریشان ہوکر پھر ایمان کی آغوش میں سوگئے تب وہ زبردست دیوانگی کا ریلا آیا۔ لوگوں کو احساس ہے کہ ہماری تہذیب کس قدر سطحی ہے۔ اس کی سلامتی کتنی غیر محفوظ اور آزادی کس قدر ضعیف ہے۔ جنگوں کی تعداد زیادہ نہ رہی لیکن اُس کا میدان بہت بڑھ گیا۔ سائنس جسے ترقی کا پروردگار ہونا چاہیے تھا فرشتہ مرگ بن گیا اس قدر تیز بہدف اور تیز رفتار کہ اُس کے مقابلے میں قرونِ وسطیٰ کی جنگیں کھیل بن کر رہ گئیں۔ وہ تمام بین الاقوامی رواداری جو صد سال کے ادبی تراجم، سائنس دانوں کے اشتراک عمل، کاروباری تعلقات اور مالیاتی انحصار باہمی پر قائم تھی نابود ہوگئی۔ اور یورپ سیکڑوں پرخاش جو قومیتوں میں بٹ گیا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ فاتح اور مفتوح دونوں جس مال غنیمت کے لیے برسرپیکار تھے وہ ترکھایا گیا۔ ہوا وہوس کی دلدادہ شہنشاہیت پونٹس مریم سے پیرس چلی گئی۔ خونخوار آمریتیں منظم آئینی حکومت کی جگہ لے رہی ہیں۔ جمہوریت پھول پھل کر مرچکی ہے۔ اسی طرح اُمید کافور ہوگئی۔ وہ نسل جو جنگ سے گزر رہی تھی اسے کسی بات پر بھی یقین نہ رہا۔ سب پر شک اور بے حسی چھاگئی سوائے اِن کے جن کا بہت ہی کم یا زیادہ تجربہ تھا۔ ترقی کا ایسا خواب فریب آخر داہم معلوم ہونے لگا جس نے انسان کے ابتلا کا مذاق اُڑایا ہویا اُسے ایک بے سروپا تصوریت اور بے اندازہ ناکارگی کی طرف اُبھارا ہو۔

کیا اخلاق اس صورت میں زندہ رہ سکتا ہے جب یہ محض تعلیم پر منحصر ہو اور اسے یومنونَ بالغیب (ماورائی ایمان) سے بیگانہ کردیا جائے۔ کیا جدید اسکول کلیسا اور گھر کا خاطر خواہ بدل ہیں؟ کیا یہ سائنس کو حکمت، علم کو فہم و فراست اور ہوشیاری کو معجزے بغیر فروغ دے سکتا ہے یا ماحول کے ساتھ۔ منفی اور مشینی موافقت سکھاتا ہے یا "جاپانی شعور"

اس طویل اقتباس میں اقبال کے کتنے افکار اور نظریات کی صداتے بازگشت سنائی دے گی۔ بنیادی امور پر غور ہو تو انکار میں مطابقت خود بخود اُبھر جاتی ہے۔ ول ڈیوران نے جو کچھ کہا ہے وہ بعینہٖ ٹی ایس ایلیٹ کی منظومات خصوصاً

ویسٹ لینڈ کا موضوع ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ ایلیٹ ہی کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ اور ایلیٹ کے ساتھ ان تمام شعرا اور فن کاروں کے افکار کا آئینہ دار جو ان کے معاصر تھے۔ اور جنہوں نے اپنے اپنے طور پر حالات کے خلاف ردِعمل کیا مثلاً ہربرٹ ریڈ، ڈی کے لارینس، ایڈتھ، سٹول اور دادا ازم کے علم بردار جنہوں نے تمام امور کو لایعنی قرار دیا۔ اقبال نے اسی بنا پر مغربی جمہوریت۔ اشتراکیت اور ہر ازم، پر نکتہ چینی کی۔ اور کہا "بگذر کر دمغرب چشم ہائے علم و عرفاں را۔

اور یہ کہ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اوپر جو اقتباسات دے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ دے ڈیوران کے افکار اقبال کے ساتھ کس قدر ہم آہنگ ہیں۔ یہی کیفیت برٹرانڈ رسل کی ہے جو امن و امان کا پیغمبر اور میکاولی جیسی بے قید و بند ابلیسی سیاست کا مخالف تھا اس نے بھی شد و مد سے اس نقطہ کی حمایت کی ہے کہ علم و حکمت اسباب شر کے سوا اور کچھ نہیں جو "غارت و تاراج اور فتنہ و فساد کا باعث ہے۔

اسی طرح جے بی پرسٹلے نے ایک ضخیم تصنیف "ٹائم" مرتب کی ہے جس میں یورپ کے ابتدائی ایام سے لے کر اب تک زمان سے متعلق تمام تصورات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ان کی بے شمار تصاویر سے توضیح کی گئی ہے۔ جدید ترین نظریات . . . . . میں ڈبلو بی ڈن کا نظریۂ سیریلزم (تصوفت) ہے۔ پرسٹلے اس نظریے کی درستی کا قائل ہے ڈن نے اس موضوع پر تین کتابیں لکھی ہیں پرسٹلے نے اسی نظریے کی توضیح کے لیے ڈرامے لکھے ہیں اور ان پر مبسوط تبصرہ کرتے ہوئے بعینہٖ ان خیالات کا اظہار کیا ہے جن کی ترجمانی اقبال نے کی ہے۔ مثلاً

من درونِ شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام — آں چناں زہرے کہ ازوے مارہا در پیچ و تاب

علم را بر تن زنی مارے بود — علم را بر دل زنی یارے بود

عہد حاضر کا جائزہ لیتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں۔

نوجواں بیں تشنہ لب تشنہ دہاں خالی ایاغ — شستہ چہرے تیرہ و تاریک دل روشن دماغ

کم نظر، کم ظرف، بزدل، تنگ دل اور بے امید — طاقت دید اُن کی آنکھوں کو ہے بدتر از شنید

در مسلماناں مسلمانی نماند — فقر بوذر صدق سلمانی نماند

کیا ان اشعار میں آپ کو ایلیٹ کی "پرومروک کا نغمہ محبت" "گیرونشن اور ویسٹ لینڈ" کی صدائے بازگشت نہیں سنائی دیتی ہے۔

ٹی ایس ایلیٹ اقبال کا معاصر تھا اس کی نشو و نما بھی اسی عالمی جنگ کی پُر آشوب فضا میں ہوئی تھی۔ اور وہ اس کے ہولناک نتائج سے بطور خود دوچار ہوا۔

جبکہ اس کا تجربہ اس تمام نسل کا مجموعی تجربہ تھا جو ان المناک حالات سے گذر رہی تھی یکساں طور پر حساس افراد کی حیثیت سے ایلیٹ اور اقبال کے تاثرات اور نتائج یکساں ہیں۔ اور دونوں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ۔ عقلے بہم رساں کہ ادب دادۂ۔۔ دل است۔

ایلیٹ کا مشہور قول ہے اتھارٹی (اولو الامر) کی طرف بازگشت اقبال کے یہ اشعار ہو بہو اس کا عکس ہیں۔

در اطاعت کوش اے غفلت شعار — می شود از جبر پیدا اختیار

دہر میں عیش دوام آئین کی پابندی سے ہے — موج کو آزادیاں ساماں شیون ہو گئیں

ایلیٹ کے بنیادی عقائد میں سے ایک خود سپردگی کا عقیدہ تھا جس کی اقبال کے تسلیم اور بے خودی سے مماثلت ظاہر ہے اور جس طرح ایلیٹ جابجا ماضی و حال کے موازنہ سے اس کے امتیاز و اعتبار کو اجاگر کرتا ہے اسی طرح اقبال بھی اسلام کے مہتم بالشان ماضی کی طرف بازگشت کی طرف تلقین کرتے ہیں وہ حاضر کی خرابی اور ماضی کی عظمت سے اس قدر متاثر ہیں کہ انہیں آنحضرت صلعم کے حضور پیش ہونے سے شرم آتی ہے۔

اس سرسری جائزے ظاہر ہے کہ اقبال مغرب پر محض اس لیے نکتہ چیں نہیں کہ وہ مشرق اور دنیائے اسلام پر غالب ہے اور ان کو زبردست کی حیثیت سے بالادست اور چیرہ دست کے خلاف بغض ہے بلکہ ان کی حیثیت ناظر اور مبصر کی ہے اور جب خود دانشوران مغرب ایسے ہی افکار کی ترجمانی کرتے ہیں تو ہم یہ فیصلہ کرتے میں حق بجانب ہیں کہ وہ دوسرے بلند نظر مفکرین کے شریک فکر ہیں۔ وہ غالب کے طرف دار اور دوسروں کے مخالف نہیں۔ اس لیے ان کے افکار ایک بلند عالمی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اِن کا مغربی تہذیب و تمدن پر اظہار خیال نوع انسان کی ہمدردی اور محبت کی بنا پر ہے نہ کہ ایک تنگ نظر متعصب نکتہ چین کی حیثیت سے جس کا محرک بغض و عناد کے سوا اور کچھ نہیں۔

اردو تحقیق و تنقید میں گراں قدر اضافہ

اُردو کی نثری داستانیں

تحریر: ڈاکٹر گیان چند

انجمن ترقی اُردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

اقبال اور سرحد

محمد پرویش شاہین

اقبال کو غیور اور جسور قوم افغان سے گہری عقیدت تھی اور اس فعال اور کردار کی حامل قوم سے جو لگاؤ تھا اس کا ذکر علامہ اقبالؒ نے اپنے منظوم اور غیر منظوم کلام میں بڑی وضاحت سے کیا ہے۔ علامہ اقبال کی افغان شناسی اور افغان دوستی پر کافی کچھ لکھا گیا ہے لیکن اقبالؒ کے سرحد کے دورے پر کسی نے نہیں لکھا ہے۔ اس لئے اس مضمون میں اسی موضوع پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگرچہ اس بارے میں قارئین نئی نئی باتیں سنیں گے لیکن کوئی بھی بات دلیل، ثبوت اور سند کے بغیر نہ کہوں گا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ علامہ اقبال پہلی بار سرحد میں کب اور کیسے آئے اس بارے میں مختلف رائیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب علامہ اقبالؒ اعلےٰ تعلیم کے لئے ولایت جانے لگے تو اس وقت ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد ایم، ای، ایس میں ملازم تھے اور ایبٹ آباد میں سکونت پذیر تھے۔ چنانچہ علامہ اپنے بھائی سے ملنے اور رخصت لینے کے لئے دو دن کے لئے ستمبر ۱۹۰۵ء میں ایبٹ آباد گئے۔ وہاں کے قیام کے دوران جب شام کو علامہ جناح باغ کی سیر کرنے کے لئے نکلے تو اس وقت وہاں کے مشہور پہاڑ سرن پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے پھر اسی سے رم جھم کی بارش ہونے لگی۔ علامہ اقبال اس منظر سے بہت متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے ذوقِ سلیم کا اظہار اپنی نظم "ابر" میں کیا جس کا مطلع ہے

اٹھی پھر آج وہ پورب سے کالی کالی گھٹا — سیاہ پوش ہوا پھر پہاڑ سرن کا

باقی نظم کچھ یوں ہے ؎

نہاں ہوا جو رخِ مہر زیرِ دامنِ ابر — ہوائے سرد بھی آئی سوارِ توسنِ ابر
گرج کا شور نہیں ہے، خموش ہے یہ گھٹا — عجیب میکدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا

آخری شعر میں ایبٹ آباد کے ساتھ اپنا لگاؤ بڑے پیارے انداز میں بیان کیا ہے کہ

عجیب خیمہ ہے کہسار کے منہالوں کا — یہیں قیام ہر وادی میں پھرنے والوں کا [1]

دوسری رائے یہ ہے کہ سرحد کی بلند قامت ادبی شخصیت، ممتاز شاعر، نامور نقاد، شارح حافظ و خیام، قانون دان، صحافی و ادیب اور حکیم الامت علامہ اقبال کے رفیقِ کار ہمسفر و ہم عصر حضرت علامہ میر ولی اللہ کی دعوت پر علامہ اقبالؒ دو مرتبہ ۱۹۰۷ء اور

---

[1] جمہور اسلام صفحہ ۱۶ نومبر ۱۹۷۷ء مضمون راقم الحروف۔

۱۹۱۱ء میں ایبٹ آباد بھی تشریف لائے۔ علامہ اقبال اور میر ولی اللہ کے درمیان مستقل سلسلہ خط و کتابت تھا۔ ان خطوط میں قومی، ملی، سیاسی، سماجی اور ادبی موضوعات پر سیر حاصل بحث اور تبصرہ ہوا، علامہ اقبال کے شاگرد راشد ملتانی مرحوم نے ہفت روزہ "افغان" اور ہفت روزہ "نشیمن" میں ان خطوط اور روابط کا ذکر کیا ہے۔

علامہ اقبال کے سرحد میں آنے کے بارے میں جاوید اقبال لکھتے ہیں:۔

"اقبال اس زمانے میں بھی حسب معمول تعطیلات سیالکوٹ میں اپنے والدین یا اہل وعیال کے ساتھ گزارتے تھے۔ البتہ اگست ۱۹۰۲ء میں کچھ مدت کے لئے شیخ عطا محمد کے پاس ایبٹ آباد گئے وہاں احباب کے اصرار پر ایک لیکچر قومی زندگی پر دیا۔ بانگ درا کی نظم "ابر" قیام ایبٹ آباد کے دوران تحریر کی گئی ہے"[۲]

علامہ اقبال کو اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد سے گہری محبت تھی۔ شیخ عطا محمد صاحب سروس کے دوران صوبہ سرحد اور بلوچستان کے مختلف مقامات پر رہ چکے تھے۔ کسی وقت وہ کوہاٹ میں بھی رہ چکے تھے۔ لیکن یہ شہادت نہ مل سکی کہ علامہ اقبال اپنے بھائی سے ملنے کے لئے کبھی کوہاٹ میں بھی گئے تھے یا نہیں۔ البتہ کوہاٹ کے بارے میں جاوید اقبال لکھتے ہیں:۔ "ان کے اصرار پر علی بخش نے گاؤں سے اپنے کسی عزیز کو بلوا کر مولوی حاکم علی کے پاس رکھوا دیا۔ اور خود اقبال کے ہاں ملازم ہوگیا۔ وسط ۱۹۰۵ء میں جب اقبال انگلستان جانے لگے تو علی بخش کو اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے پاس ہنگو (کوہاٹ) بھیج دیا"[۳]

سرحد آنے کے بارے میں ایک اور دلچسپ خاص بات یہ ہے کہ سردار احمد خان بیان کرتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ عالم شباب میں ان کے دادا مرحوم سردار خان لغاری کے ہاں ڈیرہ اسماعیل میں (صوبہ سرحد) ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس ملاقات کی غرض وغایت علامہ مرحوم کے بڑے بھائی کے اغوا سے منسلک تھی جو کہ بلوچستان میں علاقہ ژوب میں اوورسیئر تھے جس کو کسی پٹھان ڈاکو نے رقم کے حصول کی خاطر اغوا کیا ہوا تھا۔ اور سردار خان مرحوم ژوب لیوی میں رسالدار کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ اس ملاقات کے نتیجہ میں علامہ کے بھائی کو قید سے رہائی دلوائی گئی۔ لغاری ہاؤس میں اپنے قیام کے دوران علامہ مرحوم نے بلوچ معززین کو اپنی عشقیہ شاعری گوش گذار کی۔ "بقول سردار رشید احمد خان" کہ ان کے دادا کو یہ شاعری پسند نہ آئی اور انہوں نے نوجوان اقبال سے کہا کہ اگر شاعری کرنا چاہتے ہو تو قوم کو غیرت کا پیغام دو اور پھر انہوں نے مثنوی مولانا روم، اقبال کو عطا کی اور کہا کہ اس کا مطالعہ کرو:[۴]

علامہ اقبال کے بڑے بھائی کو سروس کے دوران بلوچستان میں جو مشکل پیش آئی تھی اس کا ذکر چند اور کتب میں بھی ملتا ہے۔ البتہ یہ ڈاکو والی بات کہیں بھی نظر سے نہیں گزری ہے، دوسرا یہ کہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو جاوید اقبال اپنی کتاب میں اس کا ذکر ضرور کر دیتے کیونکہ انہوں نے اس واقعہ کے بارے میں تفصیل سے یوں لکھا ہے۔ "اقبال کی زندگی کے اس دور میں ایک افتاد آئی تھی۔ مئی ۱۹۰۲ء میں شیخ عطا محمد بلوچستان کی سرحد پر سب ڈویژنل آفیسر ملٹری ورکس تھے۔ ان کے بعض مخالفین نے سازش کر کے ان کے خلاف ایک

۱۔ روزنامہ نوائے وقت ۱۲ ستمبر ۱۹۷۹ء ۲۔ زندہ رود صفحہ ۹۳ ۳۔ زندہ رود صفحہ ۶۲
۴۔ ہفت روزہ "ملت" اسلام آباد ۱۰ نومبر ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۲

خصوصاً فوجداری مقدمہ کھڑا کر دیا۔ اس مقدمے کی ساری بنا عداوت پر تھی۔ شیخ عطا محمد کو اندیشہ تھا کہ اُن کے مخالفین گواہوں کو متاثر کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور عدالت پر بھی اثر انداز ہوں گے۔ اس لئے اُن کی خواہش تھی کہ یا تو اُن کے مخالف عہدیداروں کا تبادلہ کر دیا جائے یا مقدمہ کسی دوسرے ضلع کی عدالت میں منتقل ہو جائے۔ لیکن بلوچستان پولیٹیکل ایجنسی والے ان دو باتوں میں سے کسی بات پر آمادہ نہ تھے۔ مجبور ہو کر اقبال نے وائسرائے ہند لارڈ کرزن کو تمام حالات سے مطلع کیا جس نے واقعات کی تحقیقات کرانے کے بعد ان افسروں کا تبادلہ کر دیا۔ اقبال اپنے مربی بھائی کی امداد کی خاطر علی بخش کو ساتھ لے کر لاہور سے فورٹ سنڈیمن پہنچے [۱]

علامہ اقبال کو افغان مشاہیر سے جو گہرا لگاؤ تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن افسوس کہ ان شخصیات کے ساتھ علامہ اقبال کی گفتگو، بات چیت اور مکاتیب کا ذخیرہ کوئی سنبھال کے نہ بچا سکا۔ ورنہ آج اس سے کافی معلومات سامنے آجاتیں۔ اسی ایک واقعہ سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ چترال کے پہلے حکمرانوں کے علامہ اقبال کے ساتھ بہت دوستانہ تعلقات تھے۔ اور اُن کی آپس میں باقاعدہ خط و کتابت بھی ہوتی تھی۔ علامہ اقبالؒ کے خطوط کا مجموعہ ایک مثل کی شکل میں والیٔ چترال کے خاص دفتر میں موجود تھا۔ مگر زمانے کی گردش جس طرح کسی چیز کو اپنی اصل حالت میں نہیں رہنے دیتی اسی طرح وہ مثل بھی اب گم ہے۔ شہزادہ محمد حسام الملک دشیر چترال، چترالی زبان کے بڑے ادیب تھے انہوں نے چترالی زبان کی ترقی اور اشاعت کے لئے جو خدمات انجام دیں، اُنہیں کسی طرح بھلایا نہیں جا سکتا۔ انہوں نے چترالی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ۱۹۲۶ء میں آل انڈیا ریڈیو سے انہوں نے چترالی میں نعت پڑھی اور چترال کا نام روشن کیا، چترال کی تہذیب کے بارے میں مرحوم نے بہت سے ایسے مضامین لکھے جن کی داد اہل علم ہی دے سکتے ہیں۔ علامہ اقبال کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں " اعلیٰ حضرت سر شجاع الملک والیٔ چترال نے کابل سے واپس آنے کے بعد علامہ اقبال کو چترال کا دورہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس کے جواب میں علامہ اقبال نے چترال کے دشوار گذار راستوں اور اپنی علالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معذرت نامہ لکھا تھا [۲]

اس بارے میں راہی صاحب ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں (غلام مصطفیٰ راہی) بھی سیکرٹری کی حیثیت سے والیٔ چترال کے ساتھ تھا۔ ان دنوں پنجاب کابینہ کے وزیر لالہ ہرکشن لال نے والیٔ چترال کے اعزاز میں استقبالیہ پارٹی دیتے ہوئے لاہور کے معززین کو مدعو کیا تھا۔ علامہ اقبال والیٔ چترال کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور معزز مہمانوں کا اُن سے تعارف کروا رہے تھے۔ اس وقت کے وزیر بلدیات چوہدری شہاب الدین مرحوم سے علامہ اقبال مرحوم کی گہری دوستی اور بے تکلفی تھی۔ چوہدری صاحب سیاہ فام تھے اور اُن کا محکمہ شہر کی صفائی ستھرائی کا ذمے دار بھی تھا۔ چنانچہ اقبال نے اپنے خاص انداز میں چوہدری شہاب الدین کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔ اعلیٰ حضرت شما مہتر چترال است، ایں مہتر لاہور است"۔ "مہتر لاہور" کی پھبتی ایسی چست ہوئی کہ حاضرین بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑے [۳]

آخری بار علامہ اقبال ۱۹۳۳ء میں سرحد تشریف لائے اور ڈینز ہوٹل میں قیام کیا۔ اور سرحد کی مشہور شخصیت سر سید سرحد سے ملاقات بھی کی۔ چونکہ صاحب زادہ صاحب و صاحبزادہ عبدالقیوم، کو ہند و پاک کی عظیم ہستیوں سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس لئے

---

[۱] زندہ رود حصہ ۲۰۲،۹۳ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ اپریل ۱۹۷۸ء صفحہ ۳

آپ حتی الوسع ان کی میزبانی کا شرف حاصل کرتے۔ ایک دفعہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور سر راس مسعود شاہ نادر شاہ حکمران کابل کی دعوت پر افغانستان کے دورے پر جانے کے لئے پشاور پہنچے۔ اس وقت نواب صاحب کا دفتر صدر اسٹیشن کے سامنے والے بنگلے میں تھا۔ آج کل یہ بنگلہ پاسپورٹ آفس بنا ہوا ہے۔ آپ نے علامہ صاحب اور سر راس مسعود کو اپنے بنگلے پر ٹھہرانے کا ارادہ کیا لیکن علامہ صاحب نے فرمایا کہ وہ تکلیف نہ کریں کیونکہ حکومت نے اُن کو ٹھہرانے کا بندوبست پہلے ہی ڈینیز ہوٹل میں کر رکھا ہے نیز علامہ صاحب نے کہا کہ ان کی کئی نمازیں قضا ہو چکی ہیں جو وہ یکسوئی سے ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر صاحبزادہ راضی ہو گئے ٹھ

اسی ڈینیز ہوٹل میں علامہ کے ساتھ افغانوں کے ایک وفد کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔ لیکن افسوس کہ اس کا کچھ پتہ معلوم نہ ہو سکا کہ علامہ اقبال اور ان کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھی۔ بڑی مشکل کے بعد پشتو کی ایک کتاب میں اس ملاقات کے بارے میں ایک طویل نظم ملی جو اس ملاقات پر کچھ روشنی ڈالتی ہے۔ نظم کے خالق مشہور سیاسی اور سماجی رہنما خان میر ہلالی خود ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

دا سے ڈین ہوٹل کے او د سے حضرت اقبال	ڈین ہوٹل میں حضرت اقبال نے فرمایا:
کوم ؟ ہغہ غزبہ آسمان کے د کمال	کون اقبال ؟ وہ جو کمال آسمان میں خورشید کی حیثیت رکھنے والے
کوم اقبال پوئے پہ اسرار د حقیقت	کون اقبال وہ جو اسرارِ حقیقت کے جاننے والے ہیں۔
تیرہ دبدبہ شوہ د ترک قام د شوکت	ترک قوم کی شوکت کا دبدبہ گزر گیا۔
ن بیا کمال ژوی کمال د مصطفےٰ کمال	آج اسے مصطفےٰ کمال، کے کمال نے دوبارہ زندہ کر دیا۔
تیر کہ خیل د دران د مغل قوم ادہم سادات	سادات اور مغلوں نے بھی اپنا دور دوران گزارا۔
تیرہ شوہ زمانہ د سلجوق قوم د جمال	سلجوقیوں کے جمال کا زمانہ بھی گذر گیا۔
پروت د ملغرلے پہ شان د سے صاف کینبے پٹ	صدف میں موتی کی طرح چھپا ہوا پڑا ہے۔
صرف د پختون قام وایرو د ننہ لال	صرف پختون قوم راکھ میں لعل کی طرح چھپی ہوئی ہے۔
تا سو تہ نہ ښکاری زہ یے وینم پہ نظر	تمھیں نظر نہیں آتا اور میں اُسے نگاہِ دُوربین سے دیکھتا ہوں۔
داغے اور رازی وخت د پختون قام د جلال	آیا اور آئے گا پختون قوم کے جلال کا وقت
وینم د پختون لاس کے بیرغ د مشرئ	میں پختون کے ہاتھوں میں راہبری کا جھنڈا دیکھتا ہوں۔
وخت رازی پختون بہ سرگند کڑی خپل کمال	وقت آ رہا ہے کہ پختون اپنا کمال آشکارا کرے گا۔
راغے پہ ڈیر جوش د فطرت راز نہ خبردار	فطرت کے راز سے آگاہ، بڑے جوش میں آیا۔
دے دا پختو قام دے اسلام ستن او دیوال	کہا کہ یہ پختون قوم اسلام کی دیوار اور ستون ہے۔
صرف یو پختون دے د اسلام نمائندہ	صرف ایک پختون اسلام کا نمائندہ ہے
ما د پختنو پہ شان او نہ لیدی دے تنگیال	میں نے پختونوں کی طرح اور کوئی ننگیال نہیں دیکھا ہے۔

۴ روزنامہ مشرق پشاور ۹ دسمبر ۱۹۷۲ء

لوے شو پختانہ غرو پہ شان شاہین بچی
گرزی د زمرو پہ شان پہ غر سرہ سنبال
قام د پختنو کے نخے شتہ د ژواند۔
ژوندن مومی پہ ژوندن مین قومونہ بے زوال
ژوگ بہ پہ دُنیا شی د پختون د دبدبے
وار د پختون قام راغے دھر قام دنبال
پاکہ بہ ایشیا شی د انگریز تر تیادت
دا برے لوے سپرے بہ کڑی خزان پائمال
خدائے بہ پختونہ پہ سر تاج کڑی د عزت
راچہ شی پہ قام د پختنو دور بے مثال
دا قام بہ لیو قام شی کہ شی نمونڈ پہ لیو مرکز
نشتہ د پختون د ننگ غیرت پہ جہان سیال
صرف لیو پختون دے چہ کامل دے مسلمان
دا قام بہ اوچت شی ہسے اودیل اقبال

پختون شاہین کی طرح پہاڑوں میں بڑے ہو گئے۔
شیروں کی طرح دشت و صحرا میں سنبھال پھر رہے ہیں۔
پختون قوم میں زندگی کی نشانیاں ہیں۔
زندگی سے محبت کرنے والی قومیں زندگی پا لیتی ہیں۔
دُنیا پہ پختون کے دبدبے کی آواز ہوگی۔
پختون کی باری سب سے آخر میں آئی۔
ایشیا انگریز کی قیادت سے پاک ہو جائے گا۔
اور یہ فتح کی بہار خزاں کو پامال کر دے گی۔
خُدا پختونوں کو عزت کا تاج پہنا دے گا۔
اور پختونوں کی قوم پہ ایک بے مثال دور آ جائے گا۔
یہ قوم، قوم ہو جائے گی اگر یہ ایک مرکز پہ جمع ہو جائے۔
جہان میں پختون کی غیرت اور ننگ کا کوئی دُوسرا ہم سر نہیں۔
صرف ایک پختون ہی تو ہے کہ وہ سارے کے سارے مسلمان ہیں۔
یہ قوم ضرور بڑھے گی۔ اقبال نے کہا ہے

علامہ اقبال کا یہ فرمانا کہ افسوس کہ میں پشتو نہیں جانتا" کے بارے میں مشہور صحافی و ادیب میر عبدالصمد خان رقمطراز ہیں کہ پشتو جن لوگوں کی مادری زبان ہے وہ سب کے سب مسلمان اور صرف مسلمان ہیں۔ ان کی ساری زندگی جنگوں میں گذری ہے۔ یہاں تک کہ بعض محققین کے خیال میں رسول اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی یہ جہاد میں شامل تھے اس لئے رزمیہ شاعری پشتو ادب کا ایک نمایاں پہلو ہے خصوصاً قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی جنگی داستانوں پر مشتمل جنگ نامے پشتو ادب کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ پشتو کے رزمیہ شاعر شمال مغرب سے ہندوستان پر حملہ آوروں میں شامل تھے جو شمشیر زنی کے علاوہ اپنا پُرجوش اور ولولہ انگیز کلام سنا سنا کر نمازیوں کے حوصلے بلند کرتے رہے۔ اس زبان کی رزمیہ اور حماسی شاعری میں مختلف جنگوں کی تفصیلات بھی ملتی ہیں جو معلومات افزا ہیں۔ وسیع اور ہمہ گیر علم و آگہی اور مسلمانوں کی ہر قوم خصوصاً پختونوں سے بے انتہا لگاؤ کے باعث پشتو شاعری کے اس خصوصی پہلو کا علم علامہ اقبال کو بھی تھا۔ اس بناء پر انہیں پشتو زبان سے اتنی زیادہ محبت پیدا ہوگئی تھی کہ اس کے نہ جاننے پر انہیں اظہارِ افسوس کرنا پڑا۔ وہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں جالندھر (اب مشرقی پنجاب) کے ایک افغان رئیس خان نیاز الدین خاں (مرحوم) کو لکھتے ہیں۔

"یہ خدا کا فضل ہے کہ جالندھر کے افاغنہ میں ذوقِ سخن باقی ہے اور یہ قوم اب بھی اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھتی ہے۔ افسوس کہ میں پشتو نہیں جانتا ورنہ سرحد کی مارشل شاعری کو اردو یا فارسی لباس پہنانے کی کوشش کرتا۔

جالندھر میں پٹھانوں کی بارہ بستیاں مشہور تھیں۔ ان پٹھانوں کے بزرگ بہت عرصہ پہلے موجودہ جنوبی وزیرستان (صوبہ سرحد) سے جا کر جالندھر کے علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ خان نیاز الدین خان کے نامور بزرگوں میں پیر روشن، مرزا خان انصاری، جلال الدین جلالہ جیسی عظیم شخصیات گزری تھیں۔ علامہ اقبال کو خان نیاز الدین خان کے ان نامور بزرگوں کا علم تھا۔ اس لئے اُنہوں نے اپنے مذکورہ خط میں پشتو نہ جاننے پر اظہارِ افسوس کیا۔ علامہ مرحوم و مغفور کو بایزید انصاری المعروف بہ پیر روشن کے حالات اور علمی و ادبی کارناموں کا بخوبی علم تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی بعض دوسری تحریروں میں بھی ان کا حوالہ دیا ہے ؎

یہ وہی سرحد ہے جہاں بڑے بڑے فرعونوں کے خون سے اس علاقہ کے پہاڑ صدیوں تک سُرخ کئے گئے ہیں۔ جہاں بڑے بڑے جابروں کی گردنیں جھکائی گئی ہیں۔ جہاں کے غریب مگر غیور نوجوان کو اگر کسی چیز سے عشق ہے تو وہ صرف دینِ اسلام اور آگ اُگلنے والی بندوق ہے۔ جب فرنگیوں نے پنجاب میں اسلحہ پر پابندی لگائی تو علامہ اقبال نے اپنی کتاب بانگِ درا میں طنزیہ یہ کہا

؎ وہ مِس بولی ارادہ خودکشی کا جب کیا میں نے   مہذب ہے تو اے عاشق! قدم باہر نہ دھر حد سے
نہ جرأت ہے نہ خنجر ہے تو قصدِ خودکشی کیسا؟   یہ مانا دردِ ناکامی گیا تیرا گذر حد سے
کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں کچھ نقد دلوا دو   کرائے پر منگا لوں گا کوئی افغان سرحد سے

یہ وہی سرحدی ہیں جن کے بارے میں اردو کے عظیم شاعر اور نابغہ سیاستدان ظفر علی خان نے کچھ یوں فرمایا ہے ؎

ادھر ہے خمکدہ یثرب کے مے فروشوں کا   ادھر ہے ظرف پشاور کے بادہ نوشوں کا
جو دیکھنی ہو نبیؐ کے جلال کی تصویر   تو چہرہ دیکھ لو سرحد کے سرفروشوں کا
کریں گے اُٹھ کے وطن کا علم بلند یہی   کہ ہے یہ کام انہیں جیسے سخت کوشوں کا

اور یہ کہ

اے کہ تیرا منتظر ہے جنگ کا میدان اُٹھ   باندھ کر تیغ و کفن اے نوجوان اُٹھ
جس نے دی آتے ہی آزادی کی انسان کو نوید   تو اسی اسلام کا ہے اوّلین برہان اُٹھ
تو نے دی ہے بارہا باطل کی فوجوں کو شکست   اور حق کا آج پھر کرتا ہوا اعلان اُٹھ ؎۲

یہ وہی سرحد ہے جس میں ہندوستان کا مشہور دروازہ خیبر کھلتا ہے جس کے بارے میں حفیظ جالندھری نے کچھ یوں ارشاد کیا ہے کہ

؎ نہ اس میں گھاس اُگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں   مگر اس سرزمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں
یہ ناہموار چٹیل سلسلے کالی چٹانوں کے   امانت دار ہیں گویا پرانی داستانوں کے
اسی تابش میں چمکی تھیں مسلمانوں کی شمشیریں   اسی فولاد کے دیووں سے ٹکراتی تھیں تکبیریں

۱؎ افکارِ ہلالی صفحہ ۱۱ ۲؎ ماہنامہ "ملت" اسلام آباد ۲۲ مارچ ۱۹۷۹ء صفحہ ۴۲

۳؎ نگارستان صفحہ ۱۲۸

ہے یہ وہ خارزار اس میں ہزاروں آبلے پھوٹے　　نہیں ٹوٹے مگر یہ سنگِ دل کانٹے نہیں ٹوٹے

علامہ اقبال نے اس کے بارے میں بہت کچھ سُنا اور پڑھا تھا لیکن جب وہ لندن، روما، نیپلز، قاہرہ، یروشلم، جرمنی، فلسطین، اسپین، اور ہندوستان کے بعد یہاں بہ نفسِ نفیس تشریف لائے اور یہاں کا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو بڑے متاثر ہوئے اور متاثر ہونے کے بعد "اقوام سرحد" سے یوں خطاب کیا۔

ے اے ازخود پوشیدہ خود را بازیاب　　در مسلمانی حرام است ایں حجاب

رمزِ دینِ مصطفےٰ دانی کہ چیست　　فاش دیدن خویش را شاہنشہی است

طے سزدن باغ و راغ و دشت و در　　چوں صبا بگذشتم از کوہ و کمر

خیبر از مردانِ حق بیگانہ نیست　　در دلِ او صد ہزار افسانہ ایست

سرزمینے کبک او شاہین مزاج　　آہوئے او گیرد از شیرانِ خراج

در فضایش جرّہ بازاں تیز چنگ　　لرزہ بر تن از نہیب شان پلنگ

لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز　　بے نظام و ناتمام و نیم سوز

ریزہ ریزہ از سنگ او مینائے او　　آہ! از امروزِ بے فردائے او

اقبال پختونوں کے چاہنے والے اور پختون اقبال کے شیدائی ہیں۔ پختون جب کسی کو چاہتے ہیں تو دل سے چاہتے ہیں۔ پختونوں کی اس چاہت کا اندازہ اقبال کے کلام کے تراجم سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اس بارے میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں: اقبال کی نظم و نثر کے تراجم دنیا کی بائیس زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ان میں اُردو، انگریزی، اطالوی، انڈونیشی، بنگالی، ازبک تاجیک، بنگالی، پشتو، پنجابی، ترکی، جرمن، چیک، چینی، سندھی، سویڈش، روسی، عربی، فارسی، فرانسیسی، کشمیری، اور گجراتی زبانیں شامل ہیں۔ بعض زبانوں میں اقبال کے مکمل مجموعہ ہائے نظم اور بعض میں محض انتخاب شائع کئے گئے ہیں۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ متذکرہ بالا بائیس زبانوں میں پشتو واحد زبان ہے جس میں علامہ کے جملہ شعری مجموعوں کا ترجمہ نثری تصانیف میں اقبال کی — THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM فلسفیانہ مباحث کے سبب علامہ کی سب سے زیادہ مشکل کتاب سمجھی جاتی ہے۔ کا پشتو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ پشتو مترجمین میں تقویم الحق، عبدالحلیم اثر، سمندر خان سمندر، سید الابرار، امیر حمزہ شنواری راحت زاخیلی اور میر محمد مے نوش کے نام اہم ہیں ؎۱

یہ تھا علامہ اقبال کا سرحد میں تشریف لانے کا مختصر سا جائزہ۔ اقبال اور پختون آپس میں ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ رکھتے ہیں۔ اگر پختون زیورِ علم سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتے اور آپس کی دشمنیاں چھوڑ کر اور بھول کر ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور آپس میں امن اور

سلہ برگ گل اقبال نمبر، ۱۹۷۷ء ص ۵۲۔ اس کے لئے میں محترم پروفیسر محمد خلیل اللہ صاحب کا مشکور ہوں۔

آشتی کی زندگی گذارنا شروع کردیں اور وہ قوت جو یہ لوگ آپس کی دشمنیوں میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اگر غیروں کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیں تو بہت جلد یہ ایک فعال اور رہبر قوم بن سکیں گے اور دنیا کو ایک آسودہ حال اور خوشحال زندگی دے سکیں گے۔

علامہ اقبالؒ کی شخصیت اور فن پر

لکھی جانے والی پہلی کتاب

اقبالؒ

مصنفہ

احمد دین (مصنف سرگزشت الفاظ)

مرتبہ

مشفق خواجہ

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی تھی اور اس ایڈیشن کے تمام نسخے جلا دیئے گئے تھے۔ دوسری مرتبہ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں ترمیموں اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ نئے ایڈیشن میں متن ۱۹۲۶ء کے ایڈیشن پر مبنی ہے اور ۱۹۲۳ء کے ایڈیشن کے تمام حذف شدہ مباحث اور اختلافات کو کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے شروع میں مرتب نے طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں احمد دین کے حالاتِ زندگی، ادبی کاموں اور علامہ اقبال سے انکے تعلقات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

صفحات: ۵۲۸ قیمت: ۴۰ روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱

اقبال، ایک مستقبل شناس

عابدہ ریاست رضوی

اقبال پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کو جتنا پڑھا جائے گا اسی مناسبت سے قاری پر نئے نئے باب روشن ہوتے جائیں گے ابوالخیر کشفی نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ اقبال کے بارے میں بہت کچھ ہو چکا امید ہے "اب اقبال فہمی" کا دور شروع ہوگا میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ درپیش ہوتا سرسری مطالعہ میں اگر ایک دو نظمیں نظر سے گذر جائیں یا اقبال کے کسی بھی مجموعے کی ورق گردانی ہی کی جائے تو فوری طور پر کچھ نہ کچھ ضبط تحریر میں لانے کو دل چاہتا ہے جب کچھ لکھنا شروع کرو تو محسوس ہوتا ہے کہ اس شاعر اعظم کا کلام ایک ایسا محیط عظیم ہے جس میں ڈوب کر بھی کوزہ بھر لینا مشکل نظر آتا ہے۔

دوسری جانب گردوپیش میں جو حالات رونما ہوتے ہیں۔ وہ بھی انسانی ذہن پر ایک کرب کی حالت طاری کرتے ہیں لازمی طور پر خیال آتا ہے ایسا کیوں ہے ویسا کیوں ہو رہا ہے۔ گردوپیش میں نظر دوڑانے کے بعد اپنے ملک میں اور پھر پوری دنیا جیسے ایک تلاطم میں مبتلا نظر آتی ہے چونکہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانان عالم پر خاص طور پر ایک ابتلا کی کیفیت طاری ہے کچھ ایسا ہے کہ ہر فرد مسلمانوں کی موجودہ حالت کو اپنے شعور کے پس منظر میں دیکھتا ہے ہمارے سن شعور سے پہلے کیا حالت تھی اس کا تذکرہ ہم ماضی کی تحریروں سے لگا لیتے ہیں لیکن ایک فطری بات یہ ہے کہ انسان خود جو مشاہدہ کرتا ہے یا جن حالات سے خود دوچار ہوتا ہے اس کا تجربہ بالکل عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس کو خواہ کتنا ہی یقین دلایا جائے کہ یہ سب پہلے بھی ہو چکا ہے اور ایسا ہوتا ہی چلا آیا ہے لیکن اچھے یا برے حالات سے دوچار ہونے کی کیفیت اسے اپنے دور کے انوکھے پن میں مبتلا رکھتی ہے یوں تو کہنے کو حافظ شیرازی اپنے دور میں فرما گئے ہیں کہ ؎

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم — ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان — طوق زریں ہمہ در گردن خری بینم

لیکن جب آپ کے بالکل سامنے واقعی یہ سب کچھ رونما ہوتا ہے تو اس کی حقیقت آشکار ہوتی ہے۔

اقبال کے کلام کا مطالعہ کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی جوتشی نے آنے والے زمانے کے بین الاقوامی حالات کا زائچہ مرتب کر کے رکھ دیا ہو، دنیا کے حالات کا عمومی طور پر اور مسلمانان عالم کا خصوصی طور پر اقبال نے ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ ان کی مستقبل شناسی اور بہت سے واقعات کی انجام پذیری کا اندازہ کرنے میں اقبال کی دور بینی کی داد دینا پڑتی ہے یہ اس کے

کمال کا انجام تھا جس کا آغاز اس نے نظم "ہمالہ" لکھتے وقت اپنے متجسس شعور کے ذریعہ کیا تھا اگرچہ اس نظم کی خاص خوبی تو فطرت نگاری کے کمال میں مضمر ہے لیکن آخری بند میں جو شاعر نے ایک پہاڑ کو PERSONIFY کر کے سوال کئے ہیں وہ شاعر کے اندرونی کرب کا پتہ دیتے ہیں۔

اے ہمالہ داستان اس وقت کی کوئی سنا — مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن تیرا
کچھ بتا اُس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا — داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

اقبال کی شاعری کا یہ وہ دور ہے جس میں یقیناً اُن کی شعوری جستجو ان کے ماحول کی پیچیدگیوں سے گھبراتی بھی ہے اور مزید کھوج بھی کرنا چاہتی ہے دنیا کے حالات اپنی تمام تر دلچسپیوں کے ساتھ جس طرح تنگ اور گھٹے ہوتے محسوس ہوتے ہیں یقیناً اقبال کے دور میں بھی رہے ہوں گے برصغیر میں خود مسلمانوں کا ابتلائے آلام ہونا بھی ان جیسے حساس کے لیے کافی تھا مسئلہ فلسطین ان کے زمانے میں بھی موجود تھا عالم افرنگ کی شاطرانہ چالیں اس وقت بھی مسلمانوں کے لیے ہی وقف تھیں اس وقت بھی دنیا میں صرف دو طاقتیں تھیں ایک مسلمان اور دوسرے غیر مسلم، آج بھی وہی قوتیں اسلام سے برسرِ پیکار ہیں یہ اور بات ہے کہ انھوں نے بھیس بدل لیے مطلب یہ کہ شراب کہنہ و جام نو والا معاملہ ہے۔ اقبال کے یہاں مستقبل شناسی کا عنصر اس قدر دلائل اور حقیقت پسندی کے ساتھ نظر آتا ہے جیسے واقعی موجودہ دور کے حالات کو ماضی میں ہی اقبال نے طے کر دیا تھا بین الاقوامی سطح پر اس زمانے میں "لیگ آف نیشنز" کے نام سے موجودہ اقوام متحدہ طرز کا ایک ادارہ تھا اس کے لیے اقبال نے کس خوبی سے پہلے تو کہا ؎

برفتد تا روشِ رزم دریں بزم کہن — دردمندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند — بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند

یہ اشعار فارسی کے اقبال نے "لیگ آف نیشنز" کے قیام کے وقت کہے تھے اس کے ایک ایک لفظ سے اس ادارے کے اغراض و مقاصد اور اس کے "قائم" کرنے والوں کے ضمیر کو پڑھا جا سکتا ہے۔ پھر یہ "قائم" رہی اور جیسے جیسے اس کے "قائم" کرنے والے گھٹتے رہے لیکن مسلمانوں کا تو سوال ہی بیکار ہے اور بھی دنیا میں کوئی "کام" اس ادارے سے نہ ہو سکا اور آخر اقبال کو پھر کہنا پڑا ؎

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے — ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے و لیکن — پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرک افرنگ — ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

اُدھر انجام اس کا وہی ہوا جو ہونا تھا آج ہم اور آپ لوگ اپنے دور میں مجلس اقوام متحدہ کی بے بسی اور بے کسی دیکھ رہے ہیں ویتنام ہو یا کمبوچیا، افغانستان ہو یا ایران عراق جنگ کہاں اس کی سنی گئی اگر کہیں سنی گئی یا بعد از خرابی بسیار کچھ

ہوا تو اسرائیل عرب جنگ جس میں اسرائیل کا بھلا کرنے کے بعد جنگ بندی ہوئی یا پھر ہندو پاک جنگ جس میں بنگلہ دیش وجود میں لانے کے بعد جنگ بندی ہوتی کہنے کو تو سیاسی حضرات اِدھر اُدھر کے جواز مہیا کرسکتے ہیں ہم غیر سیاسی لوگ بس اتنا ہی جانتے ہیں۔ اقبال کو اس ادارے کے نکمے اور ناکارہ ہونے کا بہت پہلے احساس ہوگیا تھا اگرچہ اس وقت عالم اسلام کے مالی حالات بھی اتنے اچھے نہ تھے ایٹم بم اور موجودہ جیٹ طیاروں کا زمانہ بھی نہ تھا لیکن اس صاحب نظر نے سیاست افرنگ کا بغور مطالعہ کیا تھا ان کے قالب میں ایک دردمند دل تھا۔

ہندوستانی مسلمان کے لیے اس وقت بھی اقبال نے کہا تھا کہ ؎

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت — ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

آج بھی ہندوستان کے مسلمانوں کا حال سب پر روشن ہے دنیا بھر میں غیر مذہبی حکومت امن و آشتی کے جمہوری دعوے کرنے کے ساتھ ساتھ خونِ مسلم کی ارزانی اپنا حق سمجھتی ہے اقبال نے یہ بات پچاس برس پہلے کہدی تھی۔

موجودہ دور میں احیائے اسلامی کی تحاریک اور اس سے خود مغرب کا اثر پذیر ہونا ہمارے پیش نظر ہے تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے اور اتحاد عالم اسلام کی کوششیں جاری ہیں ان تمام کوششوں میں پاکستان اور اس کے موجودہ سربراہ ہر جگہ رامے درمے قدمے سخنے آگے آگے ہیں۔ اسلامی کانفرنس ایک فعال ادارہ ہے جو اپنے مقدور بھر مسلمانوں کی بھلائی بہتری اور نظام اسلام کے مکمل نفاذ کے لیے منزل بہ منزل گام زن ہے۔ سیاست افرنگ کی شاطرانہ چالوں کے چھیٹے میں ہوتے یہ ادارہ اپنی سی کوشش کر رہا ہے ایران جس کی تہذیب و ثقافت میں برصغیر سے کافی مماثلت ہے اپنے موجودہ ابتلا سے پہلے بجا طور پر اس مقام پر پہنچ رہا تھا کہ اقبال کی پیش بینی اور خواہش کی تکمیل قریب سے قریب تھی۔ میرا مطلب ہے اسلامی کانفرنس کے طرز پر ایک اسلامی اقوام متحدہ کا خواب اقبال نے دیکھا تھا جس کا مرکز بہر حال ایران ہوتا (جو کہ انشاءاللہ ہوگا) دوسرے الفاظ میں ایران ہو یا پاکستان ہیں تو دونوں برادر اسلامی ملک یہ بہت معمولی سی بات ہے لیکن اس کے لیے اقبال نے باقاعدہ "جمعیت اقوام مشرق" کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔

پانی بھی مسخر ہے ہوا بھی ہے مسخر — کیا ہو جو نگاہ فلک پیر بدل جائے
دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب — ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو گر عالم مشرق کا جینوا — شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

اب آپ تیل کی دولت کا اندازہ لگائیے جو عرب اور عجم میں موجود ہے اور بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا مطالعہ کیجیے کہ ایران کو اقبال کی نظم میں جس مرکز کا اشارتاً صدر مقام سمجھا گیا تھا اس کو کس برے انداز سے کمزور کیا جا رہا ہے مجھے نہ ایران کی موجودہ حیثیت سے بحیثیت ایک خود مختار ملک کوئی کدورت ہے نہ سابق شاہ ایران کے موجودہ حیثیت سے بحیثیت ایک خودمختار ملک کوئی کدورت ہے نہ سابق شاہ ایران کے دور میں کوئی نظریاتی برائی بادشاہت یا جمہوریت یہ سب ہر ملک کے داخلی معاملات ہیں ہمیں بحیثیت ایک خودمختار ملک کے اپنے دوسرے برادر اسلامی ملک کی خوشحالی، مضبوطی اور اس کے اسلامی تشخص سے گہرا واسطہ ہے اقبال نے کہا کہ ہر طرح معاملات ساز گار رہیں پانی اور ہوا سب مسخر ہیں تو واقعی یہی صورت حال تھی اور اب

بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ اقبال ہی کے اشعار میں یہ ہے کہ ؎

تاریخ امم کا یہ پیغام ازلی ہے
صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک

مسلمان اپنی تفریق کو ختم کریں اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھیں آپس میں اتحاد کی خاطر ایک دوسرے کی غلامی قبول کریں لیکن سیاست افرنگ سے ہوشیار رہیں۔ تہذیب مغرب کی چمک سے اپنی آنکھوں کو چوندھیانے سے بچائیں اپنے تہذیبی، ثقافتی اور مدنی، ورثہ پر ہر چیز کو کمتر سمجھیں۔ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ سب دوسرے جذبات پر برتری حاصل کرے مغرب کی تہذیب و ثقافت جو خود دم توڑ رہی ہے عالم اسلام میں احیائے نظام اسلام میں کس طرح کارگر ہو سکتی ہے اقبال نے اس موقعہ کے لیے یہ لکھ کر رکھ دیا تھا تاکہ سند رہے۔

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو خود ہے لب گور

اس بحث سے ہٹ کر ہم روزانہ کی زندگی میں دیکھیں کہ ہمارا کیا حال ہے کچھ ایسا زمانہ ہے کہ ہر فرد معاشرہ میں ملک اور دنیا کی برائیوں کا ذکر کرتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ خود کیا کر رہا ہے سماج یا سوسائٹی افراد کا مجموعہ ہوتی ہے انہیں کے طرز عمل سے معاشرتی اقدار تشکیل پاتی ہیں۔ ہماری روزانہ زندگی میں نقالی، ہوس زر، تن آسانی، مطلب پرستی عیاشی وغیرہ نے اس قدر دخل حاصل کر لیا ہے کہ ہر فرد ایک دوسرے کی تقلید میں "بندہ زر" بن کر رہ گیا ہے اقبال نے یہاں بھی ایک پیش گوئی کے انداز میں واضح اصول بتایا تھا جس کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

آج عالم اسلام میں مشرق اوسط کی دولت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہر قسم کے معدنی ذخائر سے یہ ممالک مالا مال ہیں لیکن دنیاوی معاملات میں کوتاہ نظری اور وہی آپس کے انتشار نے مسلمانوں کو کمزور اور بے غیرت کر رکھا ہے ساری دنیا کے لیے بالشت بھر کی یہودی ریاست اسرائیل جو خنجر کی شکل کے مشابہ ہے اہل مغرب کی جانب سے عالم اسلام کے سینہ میں پیوست ہے اس کی توسیع پسندی کے دجالی بازو عربوں کی زمین پر پھیلتے جا رہے ہیں لیکن مسلمانوں کی کوئی اجتماعی کوشش اس کا سدباب نہ کر سکی "شام و فلسطین" کے عنوان سے اقبال نے کہا تھا اور بالکل ٹھیک کہا تھا کہ ؎

ہے خاک فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا
مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں تاریخ کا یا شہد و رطب کا

اس سے بھی زیادہ یونہی سرسری اقبال کے خطوط کا مجموعہ نظر سے گذرا اس میں اگرچہ حوالہ بہت طویل ہے لیکن مجھے یہ خیال آتا ہے کہ پچاس برس قبل جو کچھ اقبال نے فلسطین کے مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا کیا آج صورت حال اس سے مختلف ہے؟ لاہور میں یوم فلسطین کے موقعہ پر وہ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن انھوں نے ایک جامع بیان اس تقریب کے لیے دیا تھا وہ درج ذیل ہے۔ پڑھئے اور سر دھنئے" اندازہ لگائیے کہ اس عرصہ میں کیا تبدیلی ہوتی ہے۔ یہی تاکہ فلسطینیوں کا

مکہ جون کا نعرہ ہے بلکہ وہ غریب الوطن ہو گئے اور سیاست افرنگ کی کاریگری سے یہودیوں کی ریاست ۱۹۴۹ء میں باقاعدہ وجود میں آگئی ایک اتنی چھوٹی سی ریاست کے دنیا کے تمام ملک ہم نوا ہیں روس ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا فرانس سب اس کے قیام میں برابر کے شریک ہیں اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا اقبال نے اپنے بیان میں اس وقت کے سیاسی حالات کی روشنی میں کہا تھا۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ میں اس جلسہ عام میں جو مسلمانان لاہور آج فلسطین رپورٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی غرض سے منعقد کر رہے ہیں شمولیت سے قاصر ہوں لیکن میں مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ جو ناانصافی برتی گئی ہے مجھے اس کا ایسا ہی شدید احساس ہے جیسا مشرق قریب کی صورت حالات سے واقف کسی شخص کو ہو سکتا ہے مجھے قوی امید ہے کہ اہل برطانیہ کو اب بھی اس وعدہ کے ایفا پر مائل کیا جا سکتا ہے جو انگلستان کی طرف سے عربوں سے کیا گیا تھا مجھے مسرت ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے اپنی ایک تازہ بحث میں ملک معظم کی حکومت کے فیصلہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین کو غیر منفصل چھوڑ دیا ہے یہ فیصلہ مسلمانوں عالم کو ایک مرتبہ موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کریں کہ وہ مسئلہ جس کا حل برطانوی سیاست داں تلاش کر رہے ہیں محض قضیہ فلسطین نہیں اگر اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو فلسطین میں مسئلہ یہود کا تو تیرہ صدیاں ہوئیں حضرت عمر کے یروشلم میں داخلے سے قبل خاتمہ ہو چکا تھا فلسطین سے یہودیوں کا جبری اخراج کبھی بھی عمل میں نہیں آیا بلکہ بقول پروفیسر ہوکنگ یہود اپنی مرضی اور ارادہ سے اس ملک سے باہر پھیل گئے اور ان کے مقدس صحائف کا غالب حصہ فلسطین سے باہر ہی مرتب و مدون ہوا مسئلہ فلسطین کبھی بھی عیسائیوں کا مسئلہ نہیں رہا زمانہ حال کے تاریخی انکشافات نے "پیٹر دی ہرمٹ" کی ہستی کو محل اشتباہ قرار دیدیا ہے بالفرض اگر یہ اعتراف بھی کر لیا جائے کہ حروب صلیبیہ فلسطین کو عیسائیوں کا مسئلہ بنانے کی کوشش تھی تو اس کوشش کو صلاح الدین ایوبی کی فتوحات نے ناکام بنا دیا لہٰذا میں فلسطین کو خالص اسلامی مسئلہ سمجھتا ہوں۔ مشرق قریب کے اسلامی ممالک کے متعلق برطانوی سامراجی ارادے کبھی بھی اس طرح سے بے نقاب نہ ہوتے تھے جیسے رائل کمیشن کی رپورٹ نے انہیں رسوا کر دیا فلسطین میں یہود کے ایک قومی وطن کا قیام تو محض ایک حیلہ ہے حقیقت یہ ہے کہ برطانوی امپیریلزم مسلمانوں کے مقامات مقدسہ میں مستقل انتداب اور سیادت کی شکل میں اپنے ایک مقام کی متلاشی ہے۔ بقول ایک ممبر پارلیمنٹ کے یہ ایک خطرناک تجربہ ہے اور اس سے برطانوی مسئلہ کا بحیرہ روم کا حل میسر نہیں آتا۔ برطانوی مدبر کو جاننا چاہیے کہ برطانوی امپیریل ازم کا حل تلاشی کرتے کرتے وہ برطانوی امپیریل ازم کے لیے مصیبت برپا کر رہے ہیں۔ ارض مقدس بشمول مسجد عمر کی مارشل لا کی دھمکی کے ماتحت جس کے ساتھ ساتھ عربوں کی مروت و سخاوت کا قصیدہ بھی پڑھا گیا ہے فروخت، برطانوی سیاست کا کارنامہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے تدبیر کا ماتم ہے یہودیوں کو زرخیز زمین اور عربوں کے لیے کچھ نقدی اور پتھریلی اور بنجر زمین کا عطیہ کوئی سیاسی دانائی نہیں یہ تو برطانوی تدبر کی شان سے گرا ہوا ایک نہایت ہی کمینہ سودا ہے جو اس ناسور قوم کے لیے باعث ندامت ہے جس کے نام پر عربوں سے آزادی اور اتحاد کے قطعی وعدے کیے گئے تھے۔

میرے لیے ناممکن ہے کہ اس مختصر بیان میں فلسطین رپورٹ کی تفاصیل سے اور ان تازہ تاریخی حالات سے جن کی بناء

پر یہ معرض ظہور میں آتی بحث کر سکوں . . . . . یہ رپورٹ مسلمانان ایشیا کے لیے بڑی عبرتوں کی سرمایہ دار ہے تجربہ نے اس امر کو بہ تکرار واضح کر دیا ہے کہ مشرق قریب کے اسلامی ممالک کی سیاسی وحدت و استحکام عربوں اور ترکوں کے فوری اتحاد مکرر پر موقوف ہے ترکوں کو دنیائے اسلام سے علیحدہ کر دینے کی حکمت عملی ابھی تک جاری ہے گاہے گاہے اب بھی یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ ترک تارک اسلام ہو رہے ہیں ترکوں پر اس سے بڑا بہتان نہیں باندھا جا سکتا اس شرارت آمیز پروپیگنڈے کا شکار وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو تاریخ تصورات فقہ اسلامی سے نابلد ہیں مسئلہ فلسطین کے مکانات ممکن ہے مسلمانوں کو اس متحدہ انگریزی فرانسیسی ادارہ جسے جمعیۃ الاقوام کا پرشکوہ لقب دیا گیا ہے کی رکنیت کی حیثیت سے غور کرنے پر مجبور کر دیں اور ایک ایشائی جمعیۃ الاقوام کے قیام و ترتیب پر مجبور ہوں عربوں کو جن کا شعور مذہبی ظہور السلام کا موجب بنا جس نے مختلف اقوام ایشا کو ایک حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ متحد کر دکھایا ترکوں سے ان کی مصیبت کے زمانے میں غداری کے نتائج سے غافل نہ رہنا چاہیئے ۔ عربوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ان عریب بادشاہوں پر جو خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں ہوں مسئلہ فلسطین پر ایک آزادانہ اور ایماندارانہ فیصلہ سے قاصر ہیں' اعتماد نہ کرنا چاہیے عربوں کا فیصلہ پورے غور و خوض کے بعد ایک آزاد فیصلہ ہونا چاہیئے جس کے لیے انہیں مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں پر پوری پوری معلومات میسر ہونی چاہئیں ۔

موجودہ زمانہ ایشائی غیر عربی اسلامی سلطنتوں کے لیے ایک ابتلا و آزمائش کا دور ہے کیونکہ نسیخ حکومت کے بعد مذہبی اور سیاسی نوعیت کا یہ پہلا بین الاقوامی مسئلہ ہے جو تاریخی قوتیں ان کے سامنے لا رکھی ہیں ۔

اس خط میں اقبال نے اس امر کی جانب اشارہ کیا کہ تقسیم فلسطین آخرکار ایک خطرناک انجام پر منتج ہوگی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ۱۹۴۹ء میں اسرائیل پوری ڈھٹائی کے ساتھ ایک یہودی ریاست کی شکل میں معرض وجود میں آگیا ۔

یہ تھا اُس وقت کے حالات میں اقبال کا نظریہ مسئلہ فلسطین کے بارے میں جو اگرچہ قدرے طویل ہے لیکن عصر حاضر میں دنیا کے اس بڑے مسئلہ سے ماضی کی کڑیاں ملتی ہیں اس لیے اس کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا نیز اقبال کی دور بینی مستقبل شناسی حکیمانہ ذہن اور سیاسی شعور کے متعلق مزید آگاہی ملتی ہے ۔

اس عنوان کے تحت کلام اقبال سے اور بھی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن میں نے صرف ان چند پر اکتفا کی ہے جو عصر حاضر میں ہمیں درپیش ہیں نیز قومی اور بین الاقوامی اہمیت کے حامل ہیں ۔

اسی سلسلہ میں ایک اور ایسے مضمون کی طرف دھیان جاتا ہے جس کے بارے میں اقبال نے بہت زیادہ تذکرہ کیا ہے وہ نوجوانوں کا مسئلہ ہے بہت کچھ شور پکار مچایا جاتا ہے کہ نوجوانوں کے لیے یہ نہیں کیا گیا وہ نہیں کیا گیا اس کے لیے بھی اقبال نے کہہ دیا تھا کہ ؎

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

یہ تن آسانی والی بات مجھے اس قدر دل کو لگتی معلوم ہوتی ہے کہ آج طلباء میں مطالعہ کا رجحان کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے تعلیمی معیار روز بروز گرتا جا رہا ہے کوئی فارغ التحصیل طالب علم اپنے منتخب میدان میں کوئی پیشہ اختیار کرنے کے لیے کسی انتظار

کا متحمل نہیں ہے ہر شخص کی یہ خواہش ہے قطع نظر اسکی صلاحیت کے جب وہ اپنا متعینہ تعلیمی معیار حاصل کرلے تو کوئی اعلیٰ عہدے کی کرسی اس کو پیش کردی جائے نچلے درجہ پر کوئی کام کرنے کے لیے تیار نہیں حصول تعلیم میں کسی جفاکشی محنت یا دوسری چیز کے قائل نہیں ہیں امتحانات کا کوئی معیار ہو بلکہ امتحانی سوالات ان کی لیاقت کو پیش نظر رکھ کر بنائے جائیں تاکہ انہیں کامیابی میں آسانی ہو۔ وہ جو چاہیں تخریبی حربے استعمال کریں تعلیمی اداروں کو سیاسی اکھاڑے بنائیں اور کسی پیشہ میں داخل ہونے سے پہلے پیشہ ورانہ ٹریڈ یونین تحریکوں میں اپنا پاؤں اڑا کر اپنا علمی نقصان کریں ان سے کوئی باز پرس نہ ہو یہ اور اسی قسم کی باتیں تن آسانی کے ضمن میں آتی ہیں۔

انجمن کی جدید مطبوعات

۱۔ انتخاب جدید حصہ دوم	مرتبہ : ڈاکٹر وزیر آغا
۲۔ ظفر علی خاں بحیثیت شاعر	از : ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی
۳۔ ماخذات شعراء و مشاہیر (حصہ دوم)	از : سید سرفراز علی رضوی
۴۔ فہرست مخطوطات انجمن جلد ششم	مرتبہ : افسر صدیقی
۵۔ دیوان شاہ تراب چشتی	از : ڈاکٹر سلطانہ بخش
۶۔ مشاہیر یونان و روما	حصہ اوّل و دوم
۷۔ حدیقۃ المرام (تذکرہ علمائے مدراس)	مصنفہ: محمد مہدی، ترجمہ: سخاوت مرزا
۸۔ لغت کبیر جلد دوم حصہ دوم	از : بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق
۹۔ اسٹوڈنٹ انگلش اردو ڈکشنری	از : بابائے اردو مولوی عبدالحق

اقبال کے دو اساتذہ

میاں محمد صادق، ایم اے

انسان کی ابتدائی زندگی کی نشوونما اور تعلیم و تربیت میں اساتذہ کی حیثیت ایک ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے۔ استاد ایک ایسا روحانی باپ ہے۔ جو بچے کے جواہر مخفی کو پہچان کر انہیں سنوارتا اور جلا بخشتا ہے وہ لوگ انتہائی خوش نصیب ہیں۔ جنہیں اپنی تعلیم و تربیت کے دوران ذی علم۔ باشعور اور وسعتِ قلب و نظر کے مالک اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام دانشوروں اور علماء و فضلاء نے اپنے اتالیقوں کا ذکر بڑی عزت و احترام سے کیا ہے۔ اور ان کے احسانات و کمالات کو اپنی متاعِ حیات قرار دیا ہے۔

اقبال بھی ایک ایسا دانائے راز۔ حکیم الامت اور ملت اسلامیہ کا درخشندہ ستارہ ہے۔ جسے اپنی تعلیم و تربیت کے دوران ایسے اساتذہ میسر آئے۔ جنہوں نے اپنی محنت اور لگن سے اقبال کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ اور اسے وہ مقام عطا کیا کہ مشرق و مغرب کے علمی حلقے انگشت بدنداں رہ گئے۔ لیکن ان اساتذہ میں مولانا میر حسن اور مسٹر تھامس آرنلڈ کی حیثیت روشنی کے ایسے دو عظیم مینیاروں کی سی ہے جن کی ضیا پاشیوں سے اقبال نے اپنے دل و دماغ کو جگمگایا اور فکر و نظر کے سیر العقول گوشے تلاش کیے۔ اور جب ان خیالات و جذبات کا اظہار ہوا تو ملت اسلامیہ کے کتنے بھٹکے ہوئے مسافروں نے اپنی منزل پائی۔ چنانچہ جہاں اقبال کے فکر و فن پر بیش بہا مضامین چھپ چکے ہیں اور چھپتے رہیں گے وہاں اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس لازوال فکر و فن کو چمکانے اور سنوارنے میں جن ہستیوں نے اپنے دل و دماغ کا وافر ذخیرہ خرچ کیا۔ ان کی زندگیوں اور علم و دانش کو اجاگر کیا جائے یہ مطالعہ جہاں اقبال کو سمجھنے میں مدد دے گا وہاں معلوماتی اور دلچسپ بھی ثابت ہوگا۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اقبال کے ان دو اساتذہ کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

علامہ میر حسن

علامہ میر حسن مرے کالج سیالکوٹ میں عربی کے استاد تھے۔ اور تقریباً پینسٹھ سال تک اسی کالج سے منسلک رہے۔ اقبال کے والدین کا مکان جس بازار میں تھا۔ اس کا نام پہلے صدر تھا۔ پھر اسے "دو دروازے والا بازار" کہنے لگے۔ آج کل اس کا نام "اقبال سٹریٹ" ہے اس بازار ہی کے ایک کوچے میں مولانا سید میر حسن کا مکان تھا۔ اس کوچے کو کوچہ میر حسام الدین کہتے تھے۔ میر حسام الدین مولانا میر حسن کے چچیرے بھائی تھے۔ علامہ میر حسن اقبال کے والد گرامی شیخ نور محمد کے دوست تھے۔ اور ان کے گھر اکثر

آیا جایا کرتے تھے۔ بلکہ یہاں مختلف شاگردوں کو درس بھی دیا کرتے تھے۔

علامہ میر حسن کی اقبال سے پہلی ملاقات ایک مکتب میں ہوئی۔ جو مولانا غلام حسن کا مکتب تھا۔ مولانا ابراہیم سیالکوٹی کا بیان ہے کہ ان دنوں سیالکوٹ میں تدریس کے چار مراکز قائم تھے۔ مولانا غلام مرتضٰے کا مکتب۔ مولوی عبداللہ اور غلام حسن کی درس گاہ۔ مولانا میر حسن کا مدرسہ اور مولوی مزمل کا مکتب۔ چونکہ اقبال کے والد محترم کا میلان زیادہ تر دین اور تصوف کی طرف تھا۔ اور وہ خود بھی مولانا غلام حسن کی مجلس میں معارفِ دینیہ کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے بچے کو صرف علومِ دین پڑھائیں گے۔ چنانچہ اقبال کو مولانا غلام حسن کے مکتب میں پڑھنے بٹھا دیا گیا۔ مولانا میر حسن بھی وہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ ان کی پہلی ہی نگاہ اقبال پر پڑی تو انہوں نے اس بچے کے اندر چھپے ہوئے جواہرِ مخفی کو پہچان لیا۔ اور پوچھا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ جب پتہ چلا کہ یہ بچہ شیخ نور محمد صاحب کا ہے تو اسی وقت اپنے دوست شیخ نور محمد سے کہہ کر اس بچے کو مکتب سے اٹھوا لیا اور خود اس کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی۔ علامہ میر حسن کا درس اقبال کے گھر پر بھی روزانہ ہوا کرتا تھا۔ یہاں اقبال کالج میں داخل ہوتے تو ان ایام میں بھی وہ زیادہ تر علامہ میر حسن ہی کے زیرِ تربیت رہے۔ اور اسی اثر کا نتیجہ تھا کہ ایف۔ اے پاس کرنے تک اقبال کے اندر کلاسیکی ادب کا صحیح اور پورا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ اور اقبال نے اشعار کہنے شروع کر دیئے تھے۔

علامہ میر حسن مجمع البحرین شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا شوقِ مطالعہ وسعتِ علمی اور ادبی ذوق اپنی مثال آپ تھے ان کے شوقِ مطالعہ کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی تعلیمی و تدریسی مصروفیات کے باوجود مسلسل و متواتر مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ اور جہاں کہیں کوئی نایاب یا کمیاب کتاب پاتے اور اس کے خریدنے کی ان میں استطاعت نہ ہوتی تو اسے نقل کر لیتے۔ اور علمی کتابوں کی تو انہوں نے بہت سی نقلیں تیار کی ہوئی تھیں۔ ان دنوں جب اقبال لاہور میں پروفیسر تھے۔ اس زمانے میں کہیں سیالکوٹ جانا ہوا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب فلوگل کی کتاب "نجوم الفرقان" نقل کر رہے ہیں۔ یہ کتاب انہوں نے کالج کے ایک استاد کے پاس دیکھی تو فوراً اشتیاق پیدا ہوا اور چوبیس گھنٹے کے لیے ان سے لے لی۔ فوراً کتاب لے کر گھر پہنچے اور حجرے کا دروازہ بند کر کے دیا جلایا اور لکھنا شروع کر دیا اور صبح ہونے تک اسے مکمل کر لیا۔ اس کتاب کی قیمت چھبیس روپے تھی جو بعد میں اقبال نے خرید کر علامہ صاحب کو پیش کی۔

علامہ میر حسن کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ وہ بڑے ذہین و طباع تھے۔ ان کا حافظہ حیرت انگیز طور پر قوی تھا۔ وہ صرف عالمِ دین ہی نہ تھے بلکہ ادبیات۔ لسانیات۔ ریاضیات اور تفسیر القرآن کے بھی ماہر تھے۔ عربی۔ فارسی اور اردو پر انہیں مکمل دسترس تھی۔ وہ اگرچہ شعر خود تو نہ کہتے تھے لیکن شعر کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ انہیں عربی۔ فارسی۔ پنجابی اور اردو کے ہزاروں اشعار یاد تھے۔ اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ کہ موقع آنے پر برمحل اشعار انہیں فوراً یاد آجاتے تھے۔ اور اس میں کسی تکلف یا تردد کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اقبال نے علامہ میر حسن کی اس علمی فضیلت کے پیشِ نظر جب پنجاب کے گورنر نے علامہ اقبال کو بلا کر پوچھا کہ ہم دو شخصیتوں کو خطاب دینے والے ہیں۔ ان میں سے ایک سر کا خطاب آپ کے لیے مخصوص ہے اور دوسرا شمس العلماء کا تجویز کرنا ہے جس میں آپ کی رائے ضروری ہے۔ تو اقبال نے جواب دیا تھا کہ اس خطاب کا جائز مستحق صرف اور صرف مولوی

میر حسن ہیں۔ اس پر گورنر نے کہا کہ ان کی کوئی تصنیف! تو علامہ نے فرمایا کہ میں ان کی زندہ تصنیف ہوں اس جواب سے متاثر ہو کر گورنر نے یہ خطاب علامہ میر حسن کو عنایت کیا۔

ایک استاد کی حیثیت سے بھی شاہ صاحب کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ انہوں نے مرے کالج سیالکوٹ میں پینٹھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ علامہ میر حسن نہ صرف کالج میں پڑھاتے تھے بلکہ کالج سے واپس آتے ہوئے۔ کالج جاتے ہوئے قبرستان جاتے اور واپس آتے ہوئے۔ "سودا سلف بازار سے لاتے ہوئے ان کے اردگرد شاگردوں کا مجمع ہوتا تھا۔ مزید علامہ اقبال کے گھر پر بھی ان کا روزانہ درس ہوا کرتا تھا جہاں کئی شاگرد آکر ان کے علم سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اس وقت معلمین بچوں کو گلستان بوستان۔ سکندر نامہ۔ یوسف زلیخا۔ جامی۔ انوار سہیلی۔ صرف میر۔ ہدایۃ النحو۔ کنز الدقائق وغیرہ پڑھایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے ہاں بھی یہی قاعدہ رائج تھا۔ لیکن ان کے اسلوب تدریس کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ محض رٹانے پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اپنے طلباء میں فارسی اور عربی کا صحیح لسانی مذاق پیدا کر دیتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ فارسی کا ایک شعر پڑھتے تو اس کے مترادف اشعار اردو اور پنجابی میں بھی پڑھ دیتے۔ اور اس وقت تک سمجھاتے رہتے جب تک اس کا مطلب پوری طرح طالب علم کے ذہن میں نہ اتر جاتا۔ بحیثیت استاد شاہ صاحب میں یہ بھی ایک بڑا وصف تھا کہ وہ طالب علم کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کا اندازہ بڑی جلدی لگا لیتے تھے۔ اور پھر ان کے مطابق طالب علم کی تربیت کر کے اسے صحیح مقام تک پہنچا دیتے تھے۔ علامہ میر حسن کا اقبال کو مکتب سے اٹھوا کر ان کی خاص نہج پر تربیت کرنا اس کا واضح ثبوت ہے۔

علامہ میر حسن بڑے وقت کے پابند استاد تھے۔ فیض احمد فیض اور اظہر صاحب نے ان کی پابندیٔ وقت کا اکثر ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے آنے پر چپڑاسی گھنٹی بجایا کرتا تھا۔ وہ بہت کم چھٹی لیتے تھے۔ پرنسپل گریڈ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ علامہ میر حسن گواہ کی حیثیت سے عدالت گئے۔ گواہی ادا کرنے کے بعد خرچ گواہ حاصل کیا اور کالج واپس آکر ساری رقم میز پر رکھ دی اور پرنسپل سے کہا کہ میں نے کالج کا وقت ضائع کیا ہے۔ اس لیے یہ رقم کالج کے فنڈ میں جمع کرتا ہوں۔

علامہ میر حسن بحیثیت انسان رنگا رنگ شخصیت کے مالک تھے۔ وہ جہاں سادگی پسند راسخ الاعتقاد اور عبادت گزار انسان تھے، وہاں نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو بھی تھے۔ وہ نماز تہجد اور اس کے بعد نماز فجر سے فارغ ہو کر روزانہ قبرستان جاتے۔ اپنی ہمشیرہ اور باپ کی قبروں پر فاتحہ خوانی کرتے تھے۔ حافظ بھی تھے اور روزانہ ایک پارہ ختم کرتے تھے۔ مولانا ابراہیم سیالکوٹی کا بیان ہے کہ نماز تراویح میں مولانا نے ایک دفعہ پورا قرآن مجید ختم کیا تھا۔ علامہ میر حسن ہمیشہ اپنی سبزی اور سودا سلف بازار سے خود لاتے تھے۔ اور اگر بازار میں کوئی شاگرد مل جاتا اور کہتا کہ میں اٹھا لیتا ہوں تو علامہ صاحب کہتے کہ ابھی میرے اندر طاقت موجود ہے۔ وہ تحفے تحائف قبول نہ کرتے تھے۔ اور اگر بساط سے زیادہ تحفہ ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ میرے کام کا نہیں۔ شاہ صاحب کی وسیع المشربی بھی مسلّم تھی۔ عمر بھر کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کسی نے پوچھا تو جواب دے دیا کہ میں مسلمان ہوں۔ سکھ۔ ہندو۔ عیسائی سب ان کے شاگرد تھے۔ لیکن آپ نے ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وہ عموماً لطیفے کہتے تھے۔ اور محفل میں دلچسپی اور شگفتگی پیدا کر دیتے تھے ذکر اقبال میں ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ سیالکوٹ میں ایک محلے کا نام کتوڑوں کا محلہ تھا۔ کہنے لگے

ایک دفعہ ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ کتوں کا محلہ کدھر ہے۔ جواب ملا کہ کتوں کا تو محلہ نہیں البتہ کبوتروں کا محلہ ضرور ہے وہ بولا کئی برس پہلے آیا تھا اور سنا تھا کہ یہاں کبوتروں کا محلہ ہے۔ میں سمجھا کہ اب تو وہ یقیناً "کتے بن گئے" ہوں گے۔ اسی طرح چرچ مشن والوں نے ایک دفعہ ایک مسلمان کو بہشتی نوکر رکھ لیا۔ اس پر ہندوؤں نے شور مچایا کہ مسلمان رکھا ہے تو ہندو بھی رکھا جائے۔ شاہ صاحب نے سنا تو فرمایا کہ معاف فرمائیے ہندو کبھی بہشتی نہیں ہو سکتا۔

شاہ صاحب کی گزر اوقات اگرچہ تنخواہ پر ہی ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ہر آٹھویں دن ایک روپیہ بھناتے اور دو دو پیسے بچوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اپنی آمدنی سے کچھ رقم بچا کر غریب بچوں کی فیس ادا کرتے اور بعض کو تھوڑا بہت وظیفہ بھی دیا کرتے تھے۔ استادانہ شفقت کی ایک مثال یوں ہے کہ ایک دفعہ علامہ اقبال ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہو کر دہلی گئے۔ اس دوران شاہ صاحب اس قدر پریشان رہتے تھے کہ ایک خاص آدمی کو اس غرض کے لیے متعین کیا کہ وہ روزانہ اسٹیشن جا کر اخبار انقلاب لائے اور ڈاکٹر صاحب کی علالت سے متعلق جو تار شائع ہوں ان کو پڑھ کر سنائے۔ شاہ صاحب کی اس شفقت، سادگی، اور اخلاق ہی کا اثر تھا۔ کہ شاگرد اور دیگر احباب ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ شاگردوں کے ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھوں سے شاہ صاحب کی جوتیاں ان کے آگے رکھتے اور رخصت ہوتے وقت شاہ صاحب کی جانب پشت نہ کرتے تھے۔ بلکہ دروازے تک پچھلے پاؤں چل کر جاتے تھے سکاچ مشن کالج کے پرنسپل شاہ صاحب سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ ایک دفعہ شاہ صاحب بیمار تھے اور کالج کے ایک طالب علم نے پرنسپل کو بتایا کہ علامہ میر حسن فوت ہو گئے ہیں۔ اس پر پرنسپل بھاگے بھاگے گئے تو انہیں سلامت پایا۔ اس پر پرنسپل نے اس لڑکے کا نام کالج سے یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ اپریل فول ہی مقصود تھا تو شاہ صاحب سے متعلق ایسی اطلاع کیوں دی۔ بلکہ یہاں تک کہ بطور اعزاز کالج کے ہال کا نام بھی 'میر حسن' ہال رکھ دیا گیا۔

شاہ صاحب نے نہ صرف اپنی ذات اور کالج تک اپنے زمانے کے معاشرتی اور سیاسی و مذہبی حالات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ ان دنوں سرسید کی تحریک زوروں پر تھی علمائے وقت ان سے سخت مخالفت کرتے تھے۔ مکہ معظمہ سے ان کے لیے فتوے منگوائے گئے۔ لیکن شاہ صاحب کی ژرف نگاہی نے وقت کی نزاکت کو بھانپ لیا اور سرسید کی پوری طرح حمایت کی۔ ان کی تفسیر القرآن کو بڑے شوق سے پڑھتے تھے، ۱۸۷۳ء سے علامہ صاحب کا سلسلہ خط و کتابت سرسید سے شروع ہوا اور وفات تک برابر جاری رہا۔ سرسید کو جن اشخاص پر مکمل اعتماد تھا ان میں سے ایک علامہ میر حسن بھی تھے۔

علامہ میر حسن کی اس مجمع البحرین شخصیت جس میں سادگی۔ سنجیدگی۔ تواضع۔ اخلاق۔ احسان مندی۔ شفقت۔ استغناء۔ عبادت گزاری۔ بذلہ سنجی۔ وسیع المشربی جیسی اعلیٰ صفات موجود تھیں۔ اس شخصیت نے اقبال کی زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے۔ جب ہم علامہ اقبال کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر اکثر ایسی صفات و عادات موجود تھیں جو لازمی طور پر علامہ میر حسن کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ علامہ صاحب کے اندر جو شوقِ مطالعہ ساری زندگی موجزن رہا اور جس کے لیے انہوں نے برطانیہ اور جرمنی کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی یہ اسی اثر کا نتیجہ ہے۔ اقبال کی سادگی۔ قناعت اور استغنا مسلم ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے استغنا شاہ صاحب سے سیکھا ہے۔

مجھے اقبال اس سیّد کے گھر سے فیض پہنچا ہے
پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کر نکلے ہیں

مزید اقبال کے اندر عشق رسولؐ اور سر سید تحریک سے واقفیت بھی میر حسن صاحب کے اثر کے تحت پیدا ہوئیں۔ میر حسن کی اسی تربیت کے پیش نظر اقبال نے اپنے عظیم استاد کو ان کے ذریعے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

وہ شمع بارگہ خاندانِ مرتضوی — رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی — بنایا جس کی مروّت نے نکتہ داں مجھ کو

آرنلڈ

آرنلڈ ایک یورپی پروفیسر تھے جو کیمبرج سے فلسفہ کی ڈگری لے کر سب سے پہلے علی گڑھ کالج میں فلسفہ کے استاد مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ فارسی۔ عربی۔ سنسکرت اور اردو کے بھی ماہر تھے۔ مزید فرنچ۔ لاطینی اور انگریزی پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے علی گڑھ کالج میں دس سال تک تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اور ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں چلے آئے یہیں اقبال پر ان کے اثرات ہوئے۔

آرنلڈ بڑے اسلام دوست تھے۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران انہوں نے اسلامی علوم کا گہرا مطالعہ کیا۔ لیکن اس میں تنگ نظری، تعصب کو بالکل دخل نہ تھا۔ وہ انصاف پسند محقق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں آنحضرت کی زندگی پر اعتراضات کئے تو انہوں نے اس کا جواب دیا۔ عیسائیوں کے اس اعتراض پر کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا انہوں نے "PREACHING OF ISLAM" جیسی عظیم کتاب لکھی۔ جس میں یہ ثابت کیا کہ اسلام تلوار کی بجائے تبلیغ سے پھیلا ہے۔ یہ کتاب اس قدر ٹھوس دلائل پر مبنی تھی کہ اس کے بعد کسی کو دوبارہ یہ جرأت نہ ہو سکی۔

آرنلڈ کے مسلمان راہنماؤں کے ساتھ بھی بڑے اچھے تعلقات تھے۔ وہ انسان دوست اور ملنسار انسان تھے۔ سر سیّد آرنلڈ کو اپنے قریبی دوستوں میں شمار کرتے تھے۔ ان کے تعلقات شبلی نعمانی سے بھی گہرے تھے۔ شبلی نے ایک شاگرد کی حیثیت سے آرنلڈ سے زبانوں کا مطالعہ کیا۔ آرنلڈ نے ایک انجمن "اخوان الصفاء" کے نام سے قائم کی۔ جس میں وہ عربی لباس پہن کر جایا کرتے تھے۔ ان کی انسان دوستی ہی کے باعث جب وہ واپس انگلینڈ جانے لگے تو حالی نے علی گڑھ میں ان کے اعزاز میں ایک الوداعی پارٹی کا انتظام کیا۔ جس میں بڑے پیار۔ محبت اور اُنس کا اظہار کیا گیا۔ اقبال سے انہیں اس قدر محبت تھی کہ انہیں اپنا دوست خیال کرتے تھے۔

علامہ میر حسن کی طرح آرنلڈ کو بھی مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اور یہ زندگی بھر قائم رہا۔ علامہ شبلی نے اپنے سفرنامہ و سفرنامہ شام و مصر و روم، میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جب وہ اپنے سفر پر جہاز میں سوار تھے۔ آرنلڈ بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔ راستے میں جہاز کا انجن خراب ہو گیا۔ اس وقت انجنیئروں اور مسافروں میں سخت بے چینی کا عالم تھا۔ علامہ شبلی دوڑے دوڑے آرنلڈ کے پاس پہنچے تو انہیں مطالعہ میں غرق پایا۔ آرنلڈ کو جھنجھوڑا اور بتایا کہ جہاز ڈوبنے والا ہے اور آپ اطمینان سے مطالعہ میں مشغول ہیں۔ اس پر آرنلڈ نے جواب دیا کہ میں انجن کے بارے میں بخوبی واقف ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی کے آخری لمحات بھی مطالعہ میں صرف ہوں۔

بحیثیت استاد بھی ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔ اقبال نے صرف ایک سال ان کی شاگردی کی لیکن اس کا اثر زندگی بھر قائم رہا۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنی نظربندی کے دوران اپنے رسالہ میں لکھا کہ آرنلڈ کا انداز تربیت یوں تھا کہ وہ ذہین طالب علموں کو چن کر علیحدہ کر لیتے تھے۔ کتابوں کی "فہرست" تیار کرتے اور ہر طالب علم کو ایک کتاب ہفتہ بھر کے لئے پڑھنے کو دیتے۔ طالب علم اس کا مطالعہ کرتا اور مختلف نکات اور حوالے اخذ کرتا اور پھر اس پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ اقبال پر آرنلڈ کے طرزِ تربیت کا اس قدر اثر ہوا کہ جب آرنلڈ ہندوستان چھوڑ کر لندن چلے گئے تو وہ والہانہ انداز میں یوں گویا ہوئے۔

تو کہاں اے کلیم ذروۂ سینائے علم — تھی تیری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم — تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

اور پھر بیقرار ہو کر یوں کہا ہے ؎

کھول دے گا دشتِ وحشت عقدۂ تقدیر کو — توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

"آرنلڈ بھی اقبال کی تعلیم و تربیت میں حد درجہ دلچسپی لیتے تھے۔ جب اقبال لندن گئے تو آرنلڈ نے پہلے ہی سے ان کے لئے مضامین کی فہرست تیار کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اقبال کو جرمنی بھی خود بھیجا۔ اور اکثر اپنے احباب میں اقبال کے بارے میں یوں کہا کرتے تھے

" ایسا باشعور شاگرد استاد کو محقق اور محقق تر بنا دیتا ہے۔"

بحیثیت مجموعی علامہ میر حسن نے جہاں اقبال کو علوم مشرقی کی بھرپور تعلیم دی وہاں آرنلڈ نے انہیں مغربی علوم سے واقفیت دلائی اور ان دونوں علوم کی دنیاؤں سے اقبال اس قدر بہرہ ور ہوا کہ بعد میں جب اس کا فلسفہ سامنے آیا تو اس میں مشرق و مغرب کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس متوازن فکر میں ان دو اساتذہ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے اقبال کو اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا اور ان کی صلاحیتوں کو چمکایا اور انہیں انسانِ کامل بننے میں مدد دی۔

طنزیات و مقالات

از

سید محفوظ علی بدایونی

مؤلف

محمد محی الدین بدایونی، بی۔ اے

قیمت : بیس روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان۔ بابائے اردو روڈ کراچی نمبر ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحضورِ اقبال

شیر افضل جعفری

چمن میں طرزِ فغاں کو اثر دیا تو نے
سخن میں سروِ زباں کو ثمر دیا تو نے
شبِ سیاہ میں گم گشتہ ابنِ آدم کے
جگر کے داغ کو مہتاب کر دیا تو نے

وغا میں جھوم کے آنا سکھا دیا تو نے
لہو میں تیر کے جانا سکھا دیا تو نے
عمل سے آنکھ چراتی ہوئی توکل کو
عدو سے جان لڑانا سکھا دیا تو نے

بغل میں لیکھ ستارے دبوچ لیتا ہے
یہ دُور دُور کی لحظے میں سوچ لیتا ہے
تری انا کا جوہر تو فلک پر جھلکے
تو عزرائیل کے شہ پر بھی نوچ لیتا ہے

سمجھ رہا ہے پہاڑوں کو روئی کے گالے
مہیب سلسلوں کو عنکبوت کے جالے
تری غزل کے نشے میں فقیرِ شاہ نواز
کمند کیوں نہ مہ و مہر عرش پر ڈالے

فضا کو برق و خلا کو شکار کرتا ہے
قلم کو لوح و قضا کو شکار کرتا ہے
تری خودی کے اشاروں کی چاندنی میں دل
قلندری سے خدا کو شکار کرتا ہے

ناخن کا قرض ــــ ایک مطالعہ

یونس حسنی

میرزا ادیب ہمارے ان قلم کاروں میں سے ہیں جن کی ادبی زندگی نصف صدی کا قصہ ہے۔ دو چار برس کی بات نہیں کم از کم ان کے لکھنے لکھانے کی عمر میری اپنی عمر سے زیادہ ہی ہے۔ پھر وہ کسی ایک صنف میں طبع آزمائی نہیں کرتے، شاعری، صحافت، افسانہ نگاری، ڈرامہ نگاری، خاکے نویسی، تنقید اور بچوں کے لئے تخلیق ان کے نمایاں موضوعات ہیں۔

میرزا صاحب کو شاعری کا چسکا اوائل عمر ہی میں لگ گیا تھا۔ چنانچہ عاصی، شجر اور برق کی منزلوں سے گزر کر ادیب پر آ ٹھیرے لیکن جلد ہی شاعری سے رغبت جاتی رہی مگر وہ جو کہتے ہیں چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ میرزا صاحب اب بھی ہیرا پھیری کر لیتے ہیں۔ شعر چاہے بچوں کے لئے کہتے ہوں وضعداری سے اس ستم پیشہ کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے۔

شاعر اور نقاد کی حیثیت سے ان کا ادبی مقام شاید گفتگو کا موضوع بن سکے لیکن صحافت، افسانے، ڈرامے اور بچوں کے ادب میں ان کے مقام سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے۔

میں نے عرض کیا کہ ان کی ادبی عمر میری طبعی عمر سے زیادہ ہے مگر ان کے قلم میں ہنوز کوئی تھکاوٹ پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بڑھاپا اس پر جلا دیتا جاتا ہے۔ لکھنے کی رفتار بڑھتی جاتی ہے۔ ایک کتاب ابھی زیر بحث ہوتی ہے کہ دوسری کی آمد کی اطلاع مل جاتی ہے۔ یہ بھی قدرت کا عطیہ ہے جس کے سلسلے میں ان کے ساتھ بڑی فیاضی برتی گئی ہے۔ مختلف اصناف ادب میں ان کے قد کاٹھ کے پیشِ نظر گذشتہ دنوں انھیں ادبی اعزاز دیا گیا جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

ادب لطیف۔ عالم گیر، شاہکار اور نیرنگ خیال وغیرہ کی ٹکر کا رسالہ تھا۔ سترہ سال لگاتار اس کی ادارت سنبھالے رکھنا ایک ایسا اعزاز ہے جس سے وہ کبھی محروم نہیں ہو سکتے۔ ان سترہ سالوں میں انہوں نے نہ جانے کتنوں کو ادیب بنایا ہوگا۔ وہ ادیب بھی نہیں ادیب گر بھی ہیں۔ ریڈیو سے بھی وابستہ رہے۔ افسانہ نگاری کے میدان میں آئے تو انشائے لطیف کا دور دورہ تھا وہ بھی اسی رنگ میں رنگ گئے۔ صحرا نورد کے خطوط کا میرزا ادیب اردو کے صف اول کے انشائے لطیف کے خالقوں میں شمار کیا جائے گا یوں بھی وہ افسانہ نگاری کی دنیا میں ایک ناگزیر شخصیت بن چکے ہیں۔ ادبی ڈرامہ نگاروں میں ان کا مقام مسلّم ہے۔ بچوں کے گنے چنے ادیبوں میں وہ سرفہرست ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق ان کی تصانیف کی تعداد پچاس تک پہنچ چکی ہے۔ ہمارے عہد میں اس قدر تعداد میں کتابوں کے مصنف ڈھونڈے ہی سے ملیں گے۔ اور پھر معاملہ رطب و یابس کا نہیں معیار کا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا افسانے، ڈرامے، صحافت اور بچوں کے ادب ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ ان کے اصناف کی تاریخ ان کی بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

لکھنے کا یہ عالم ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے خط حوالۂ ڈاک کیا۔ میرے اندازے کے مطابق ابھی اسے لاہور پہنچنا چاہیئے تھا کہ جواب موجود ہے۔ میں اپنی کوتاہ قلمی اور کاہلی کے باعث خطوط نویسی کے معاملہ میں ان سے ہمیشہ شرمندہ رہا۔ خطوط نویسی کا ذکر یوں کر رہا ہوں کہ یہ بھی ادب کی ایک صنف ہے اور مستقبل میں جب میرزا صاحب کے خطوط مرتب و مدون ہوں گے تو وہ مکتوب نگار کی حیثیت سے بھی اپنا مقام منوالیں گے۔

اس سب کے باوجود موصوف کو اللہ نے انکسار کی دولت سے نوازا ہے۔ چند سال قبل لاہور جانا ہوا۔ گھر پر حاضری دی۔ صاحبزادے کی شادی سے فارغ ہوئے تھے۔ مکان تلپٹ پڑا تھا۔ بیگم صاحبہ تھک کر چور ہو چکی تھیں اور میرزا صاحب سراپا انکسار تھے۔ جہاں نوازی پر مائل کچھ نہ کچھ میرے منہ میں ٹھونس دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ٹھونس کر رہے۔ گزشتہ سال ادیبوں کے میلے میں اسلام آباد میں ملاقات ہوئی اس طرح ملے جیسے میرا ملنا ان کے لئے باعثِ عزت ہو۔ ان کی اور میری عمر میں تقریباً دو گنے کا تفاوت ہے مگر ان کے انداز ملاقات سے انسان خود پانی پانی ہو جاتا ہے۔ ان کی چمکدار آنکھیں اور مسکراتے لب، ان کی شرافت اور کسرِ نفسی انسان کو گرویدہ بنا لیتی ہے۔ وہ خود شریف انسان ہیں اور انسانوں میں شرافت کے پہلو ہی تلاش کرتے ہیں۔ ایک اعتبار سے وہ ہمارے عہد میں حالی سے بہت مشابہ ہیں۔ حالی خود منکسر المزاج آدمی تھے۔ چھوٹوں کو اپنے سے بڑا جانتے تھے۔ خود شریف النفس تھے اس لئے دوسروں کی خامیوں پر نظر جاتی ہی نہ تھی۔ اور اگر کبھی پڑ بھی جائے تو اس کی پردہ پوشی اس اس طرح کرتے جیسے خود انھیں گناہ کرتے دیکھ لیا ہو۔ یہی حال میرزا صاحب کا ہے۔ وہ خطا پوش اور درست بیں ہیں۔

"ناخن کا قرض" ان کی تازہ کتاب ہے۔ جو احباب کے خاکوں میں مشتمل ہے۔ نصف صدی کی ادبی زندگی میں ان کا کتنے لوگوں سے واسطہ پڑا ہوگا۔ کتنوں سے قرب رہا ہوگا۔ کتنوں کو سکھایا اور کتنوں سے سیکھا ہوگا۔ سکھانے کی بات تو بھلا وہ کیوں کرتے البتہ سیکھنے کی باتیں ان خاکوں میں خوب کی ہیں۔ ایسے لوگوں میں بھی خوبیاں تلاش کر لی ہیں۔ جن کی خامیاں بیان کرنے سے لوگ تھکتے نہیں ادب کے ان ہمسفروں کے ذکر سے انہوں نے واقعتاً ناخن کا وہ قرض ادا کر دیا ہے۔ جو گرہِ نیم باز کا ان پر واجب تھا۔

"گھنڈرا اور روشنی" ناخن کے قرض کا پہلا خاکہ ہے یہ مولانا صلاح الدین احمد ادبی دنیا والے کا خاکہ ہے۔ وہ مدیر جو ادیب گر تھا۔ وہ منارۂ نور جس کی ضیا پاشیوں سے نہ جانے کتنوں نے اپنی راہیں پالیں۔ مگر وہ خود کچھ بھی نہ تھا۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ کیا تھا۔ یہ خاکہ شاید کتاب کا سب سے مختصر خاکہ ہے۔ اس کا سبب شاید مصنف اور مولانا کی عمروں میں تفاوت بھی ہے اور قرب کی وہ کمی بھی جو اس تعارف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ مگر یہی مختصر خاکہ کتاب کے جاندار خاکوں میں سے ایک ہے۔ مولانا کے کردار کو اس میں جس طور پر اجاگر کیا گیا ہے اس کے لئے یہ چند سطریں دیکھئے "جن لوگوں نے مولانا کو اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے اور اس وقت دیکھا ہے جب ان کا قلم کسی افسانے کے سنوارنے میں مصروف ہے تو وہ لازماً اس امر کا اعتراف کریں گے کہ مولانا پیش نظر تحریر کا ایک ایک لفظ پڑھتے تھے۔ اور ان کا قلم ایک ایک سطر کے اردگرد سرخ روشنائی کے نقش و نگار بناتا چلا جاتا تھا۔ یہ جیگر کاوی۔ یہ دیدہ ریزی، یہ جاں بازی یہی شخص کر سکتا ہے جسے اپنے فن سے حقیقی محبت ہو اور جسے اس فن کے خالق سے گہرا اور ناقابل شکست

رابطہ قائم ہو۔" آج کتنے مدیر ہوں گے جو فن اور فن کار سے ایسا رابطہ رکھتے ہوں۔ اور اپنے پرچے میں شائع ہونے والی تحریروں کے حفظ لفظ کے ذمہ دار ہوں۔ ایسا شخص ظاہر ہے کہ لوگوں کے کیڑے بھی چھڑاتا ہوگا مگر نہیں مولانا کا مزاج اس سے قطعاً مختلف تھا "ہمت افزائی تو گویا ان پر ختم تھی کسی چیز میں کوئی نقص بھی نکالتے تھے تو بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ" ناقد کے اس ہمدردانہ رویے نے انہیں اردو افسانے کی کسوٹی بنا دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ان کی رائے حرفِ آخر سمجھی جاتی تھی اسی لئے تو میرزا صاحب انہیں روشنی کا سیلاب سمجھتے ہیں۔ اور وہ تھے۔

"برگِ آوارہ" ایک آوارہ مزاج اور بدنام زمانہ شاعر کا خاکہ ہے ایسا شاعر کہ آج اس سے تلمذ و تعلق بھی لوگوں کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔ سلماؤں، عذراؤں اور ریحاناؤں کی موجودگی میں کسی خاتون کے لئے ان کے تلمذ کا اقرار و اعتراف شاید رسوائی کا باعث ہو لیکن یہ مردوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ بھی اس کی "آوارگی" سے گریزاں ہیں۔ شاید وہ اسے اپنے سے کمتر درجے کا شاعر سمجھتے ہوں۔ اور اب اس کے تلمذ پر شرمسار ہوں۔ زمانے کے مذاق کی تبدیلی اب اس تلمذ کے اعتراف میں آڑے آتی ہو۔ مگر یہ میرزا صاحب کو خدا جانے کیا ہو گیا ہے کہ بھلے مانس ہیں اتنے بھی گناہگار نہیں جتنا کہ شاعر و ادیب ہونے کے لئے ضروری ہے مگر ایک شاعر شوریدہ سر اور بدانجام سے اپنے تعلق ہی نہیں تلمذ کا اعتراف کرتے جاتے ہیں اور اس شان سے جیسے کسی سلسلہ سلوک کے مرشد سے بیعت کا اقرار ہو۔ "برگ آوارہ" ایک ایسا خاکہ ہے جو خود کلامی کی شکل میں لکھا گیا ہے۔ اور جس میں شاعر کو موجود فرض کر لیا گیا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات، اس کی عادتیں، اس کے اطوار، اس کے گناہ، اس کی معصومیت، اس کی مروت، شرافت، مے نوشی۔ اور قرض باشی کے سارے پہلو بے نقاب کئے ہیں۔ اس خاکے میں آغا حشر اور مختار بیگم کا ذکر ضمنی طور پر آ گیا ہے۔ مگر اس سے آغا حشر کا ہلکا سا خاکہ بھی خود بخود وجود میں آ گیا ہے۔ گالیاں بکنے کی ان کی عادت اور ایسی اور ویسی گالیاں جنھیں میرزا صاحب نے بجا طور پر "مغلظات کا ادب عالیہ" قرار دیا ہے۔ مختار بیگم سے ان کا خصوصی ربط اور اختر و حشر کے تعلقات اس خاکے میں زیر بحث آئے ہیں۔

"ایک شخص سراپا خوشبو" سجاد ظہیر کا خاکہ ہے۔ سجاد ظہیر جو کمیونسٹ تھا، باغی تھا، مجرم تھا اور جسے دیس نکالا ملا تھا۔ میرزا ادیب کو اس کے نظریات سے اتفاق بھی نہ تھا مگر جب اپنی یادوں کو سپرد قرطاس کیا تو اس شخص کو سراپا خوشبو کہہ کر یاد کیا کہ وہ اس سب کے باوجود ایک اچھا انسان تھا۔ ایک رچے ہوئے مذاق کا سخن فہم تھا۔ میرزا صاحب نے ان کی شخصیت کا ذکر اس پیار سے کیا ہے۔ "جب بھی ملا ہوں مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ ایک بڑے پیارے ایک بہت خوبصورت آدمی سے مل رہا ہوں ان ملاقاتوں کا اثر آج بھی میری روح میں تر و تازہ ہے۔ ایک سچے انسان سے صرف ایک ملاقات ہی کافی ہوتی ہے!" اس خاکے میں دو مواقع ایسے بھی آئے جہاں میرزا صاحب اپنا امیج بھی بنا سکتے تھے مگر ان کا انکسار آڑے آ گیا۔ سجاد ظہیر نے صحرا نورد کے خطوط پر تبصرہ کیا تھا۔ کچھ تعریف و توصیف بھی تھی۔ میرزا صاحب نے دوسری کتابوں پر سجاد ظہیر کی بصیرت افروزی کی بڑی تعریف کی اور تفصیل سے اس کا ذکر کیا مگر اپنے بارے میں صرف اتنا لکھا "صحرا نورد کے خطوط پر تبصرہ کیا گیا تھا" کیا" اس کا ذکر سجاد ظہیر کی زبانی بھی گوارا نہ کیا۔ پاکستانی وفد ہندوستان گیا۔ اس میں جو ادیب و شاعر شامل تھے ان کے ذکر میں صرف اتنا ہی لکھا" اس وفد کا ایک رکن میں بھی تھا۔

"ابن بطوطہ" ابن انشا ہیں۔ ان کی عجیب و غریب عادتیں ان کے لکھنے کا ڈھنگ، ان کی سیلانی طبیعت اور روشنی طبع اس میں

زیر بحث آئی ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ ابن انشاء کا خاکہ ان کی شخصیت کے اعتبار سے کچھ پھیکا پھیکا سا لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس سلسلہ میں اور بہت کچھ لکھا جاتا۔

جینے کا سلیقہ دلی والے خوب جانتے ہیں۔ میر بھی اس سلیقے سے اپنی نبھا گئے۔ شاہد احمد بھی دہلوی تھے اس لئے سلیقہ سے جینے کے انداز جانتے تھے۔ ساقی کو جس وضعداری سے جاری رکھا۔ کراچی آکر جس طرح بگڑے اور بگڑے دنوں میں جیسے سنورے رہنے وہ عالم آشکارا ہے۔ شاہد احمد کی زندگی اور حالات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ان کے خاکے بھی لکھے گئے ہیں۔ ان کی شخصیت اب ڈھکی چھپی نہیں۔ میرزا صاحب کا خاکہ انھیں سب باتوں کا تائید کرتا ہے اور بے اختیار جی پکار اٹھتا ہے۔ ع

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

کس طرح زندگی کر گئے اور کس حوصلے سے اپنے بگڑے دنوں کا مقابلہ کیا۔ یہ کوئی شاہد احمد سے سیکھے۔ موسیقی ادب اور فن میں اس طرح فنا ہو جانے والوں کی شاید یہ آخری مثال تھی جو شاہد احمد کی شکل میں ہمارے درمیان سے اٹھا لی گئی۔

"پرتماشا نہ ہوا" شیلی بی کام کا خاکہ ہے۔ مگر یہ کتاب کا عجیب و غریب خاکہ ہے۔ کہنے کو ایک یہ ایک شخص کا خاکہ ہے مگر اس کو دراصل یادوں کی بارات کہنا چاہیئے۔ اس کے مطالعہ سے اس عہد کے لاہور کی ثقافتی زندگی اور صحافت کا انداز، صحافیوں کے اطوار، ان کی دشواریاں اور جواں مردیاں سبھی کچھ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ پھر اس خاکے کے پس منظر میں متعدد افراد کے نقوش نظر آتے ہیں۔ کچھ واضح، کچھ مبہم اور کچھ اتنے واضح کہ خود شبلی کا خاکہ ان کے ذکر میں دب جاتا ہے۔ اس ایک خاکے میں راجہ مہدی علی خاں، حافظ محمد عالم حکیم فقیر محمد چشتی، ضیاالدین شمسی، یعقوب علی، خدا بخش اظہر، قمر تسکین، خوشتر گرامی اور بہت سے دوسروں کے خدوخال دکھائی دیتے ہیں۔ یہ شخصیات صاحب خاکہ کے متوازی اس طرح ڈوبتی ابھرتی ہیں جیسے ناول کی بنیادی کہانی میں متوازی کہانیاں۔ اس اعتبار سے خاکہ نگاری کی تکنیک میں یہ خاکہ ایک نیا تجربہ ہے۔

منٹو، دیویندر ستھارتھی اور مصطفیٰ زیدی کے خاکے ان کے علمی سرگرمیوں، ان کی عجیب و غریب عادتوں اور ان کی پیاری شخصیتوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ان میں مجھے وہی اختصار اور تشنگی محسوس ہوئی جس کا ذکر ابن انشاء کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ دراصل ان تینوں حضرات پر قلم اٹھانے کے لئے جہاں ایک طرف نفسیات انسانی کی گہری بصیرت درکار ہے وہاں گنہگاری اور لغزش پا سے آشنائی بھی ضروری ہے۔ میرزا صاحب اس کوچہ کے راہی نہیں یوں کہئے کہ ان معاملات میں کولیفائڈ نہیں ہیں۔ شخصیات کے اندر جھانکنا ان کے لئے ایسا ہی گناہ ہے جیسے روزنِ دیوار سے کسی کی خواب گاہ کا نظارہ کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کئے بغیر ان حضرات کی ٹیڑھی میڑھی شخصیات تک رسائی کیسے ممکن تھی۔ اور میرزا صاحب شاید اس حد تک رسائی کے کوشاں بھی نہیں تھے۔ انہوں نے وہی دیکھا جیسا نظر آتا ہے۔ اور وہی کچھ ہمیں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ درونِ پردہ نہ وہ خود جھانکتے ہیں نہ ہمیں جھانکنے دیتے ہیں۔

البتہ کمال احمد رضوی کے خاکے میں وہ حقیقت پسندی پر اتر آئے ہیں۔ کمال رضوی پر ان کا خاکہ خاصا جاندار ہے۔ اس کی شدید محنت کی عادت اس کی بے رحمانہ حقیقت پسندی، زندگی کو سنوارنے اور بنانے کے لئے اس کے انتھک جد و جہد اور زندگی کو بنانے کے اس کے مفہوم کو انہوں نے پوری طرح واضح کیا ہے۔ کمال ہی کے خاکے میں میرزا صاحب نے اس کی خامیوں کی طرف واضح اشارے کئے ہیں۔ ورنہ دوسرے خاکوں میں جہاں اس کا موقع آیا ہے میرزا صاحب یا تو دامن بچا کر نکل گئے ہیں۔

یا مبہم سے اشارے کرتے ہوئے گزر گئے ہیں۔

"کھل جا سم سم" میاں محمد اسحٰق کا خاکہ ہے۔ اہل علم و ادب کے نزدیک چاہے یہ خاکہ اہم نہ ہو میرزا صاحب کے نزدیک یہ بڑا اہم ہے۔ اس سے جہاں میاں صاحب کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے وہیں میرزا صاحب کی بعض صفات بھی اس آئینے میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ یہ ان کی احسان شناسی ہی تو ہے کہ انہوں نے بظاہر ایک غیر علمی شخص کا خاکہ لکھا اور علی الاعلان کہا کہ وہ آج جو کچھ ہیں میاں محمد اسحٰق کے طفیل ہیں۔ میاں محمد اسحٰق جو آج ادبی دنیا میں کچھ نہ ہوں میرزا ادیب کی دنیا میں ایک بلند مقام کے حامل ہیں۔

میرزا صاحب کو ان سے صرف رشتہ داری کا تعلق نہیں۔ اس میں ذہنی تربیت کے تعلق کا بھی دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاکے میں ان کے قلم میں کہیں رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی۔ ان کی فیاضی، مہمان نوازی، علم دوستی، خوش خوراکی، قوت حافظہ، خورد نوازی ہر ہر چیز کا ذکر انہوں نے تفصیل سے کیا ہے۔ یہ بھی ایک مکمل خاکہ ہے جس میں میاں صاحب کی شخصیات اپنی تمام توانائی اور تابناکی کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔

ان خاکوں کے ذریعہ میرزا صاحب نے اپنے ناختوں کا قرض اتار دیا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہیں لکھا ہے میرزا صاحب شخصیت کے اندر جھانکنے سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان خاکوں میں شخصیات کے روزانہ کے معمولات، عادات و اطوار، ان کی ذاتی جدوجہد اور علم و ادب کے لئے ان کی ایذا طلبی سبھی کچھ ہے۔ اگر نہیں ہے تو شخصیت کا وہ داخلی پہلو جس کے بغیر شخصیت کی تکمیل ممکن نہیں۔ سکہ کے دوسرے رخ پر نظر جمانا میرزا صاحب کے بس کی بات نہیں۔ اگر تخلیق کو خالق کی مجبوریوں کے پس منظر میں دیکھنے کی روایت غلط نہیں ہے تو میرزا صاحب اس میں بے قصور ہیں۔ وہ اشخاص کی کمزوریوں کے اغماض کو مشرقی اخلاقیات کے مسلمات میں سمجھتے ہیں اور اس لئے اگر کہیں کسی کی کمزوری کا ذکر کرنا ناگزیر ہی ہو جائے۔ تو اسے سرسری طور پر کرتے ہیں۔ اپنی سرشت کی مجبوری کو انسان کہاں لے جائے۔ اس سے میرزا صاحب کے خاکوں کی ادبی جاذبیت و اہمیت تو متاثر ہوئی ہے مگر ان کی نفسی شرافت، مروت اور سادہ لوحی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ایک سیدھا سچا آدمی شخصیت کا مطالعہ اسی انداز میں کر سکتا تھا۔ اور یہی اس کا فطری انداز ہے۔ اس سے انحراف ایک ایسا تصنع پیدا کر دیتا جو ادبی اعتبار سے زیادہ ہلاکت خیز ہوتا۔

مجموعی طور پر ناخن کا قرض ایک اچھے دوست، سچے ساتھی اور مخلص انسان کا اپنے احباب کا ایسا تجزیہ ہے جس میں مروت و شرافت کی اقدار کی پاسداری کی گئی ہے۔ اور شخصیات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا دکھایا گیا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں
بحیثیت شاعر

از: سیّد نظر حسنین زیدی

قیمت: ۲۵ روپے

گردوپیش

قومی زبان کے سلسلے میں اپیل

اردو انجمنیں ۲۳ مارچ کو نفاذ اردو کی قرارداد منظور کریں

ڈاکٹر سید عبداللہ ناظم انجمن اردو لاہور اور اخگر سرحدی صدر انجمن ترقی اردو سرگودھا نے ایک مشترکہ بیان دیتے ہوئے اطلاع دی ہے کہ اردو انجمنوں کی لاہور کانفرنس (نومبر ۱۹۸۱ء) کی ایک قرارداد کی تفصیل میں ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء کو سرگودھا میں جس اردو کانفرنس کا اعلان کیا گیا تھا وہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ملتوی کر دی گئی ہے۔ کانفرنس کی آئندہ تاریخوں کا اعلان بعد میں کر دیا جائے گا۔

لیکن اس سلسلے میں قومی زبان اردو سے دلچسپی رکھنے والی جملہ انجمنوں اور اداروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی اپنی انجمنوں کے زیر اہتمام ۲۳ ۔ مارچ ۱۹۸۲ء کو یوم پاکستان کے موقعہ پر حکومت کو نفاذ اردو کے مسئلے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے صدر مملکت سے درخواست کریں کہ وہ قریب ترین تاریخ پر، اردو کو دفتروں میں رائج کرنے کا اعلان فرمائیں تاکہ ۱۹۸۲ء ہی میں وفاقی اور صوبائی سطح پر اردو کا استعمال شروع ہو جائے بیان میں جمہور سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ نجی دائرے میں اردو کو اپنا کر، اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔ ملک کے تجارت پیشہ حضرات، عام دکانداروں اور کارخانہ داروں سے بھی اپیل کی گئی ہے کہ وہ اپنی دکانوں اور فرموں کے نام رکھتے وقت، انگریزی ناموں کے بجائے اردو نام رکھیں، اس امر پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ نجی کاروبار اور تجارت میں انگریزی ناموں کا استعمال روز افزوں طور پر غالب آتا جا رہا ہے حالانکہ انگریزی نام رکھنے سے تجارتی مفادات کو بھی کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچتا لہذا یہ میلان قومی حمیت کے منافی ہے بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ انگریزی ذریعہ تعلیم کو فوری طور سے بند کر کے اردو ذریعہ تعلیم کے احکام جاری کرے اسی طرح امتحانات مقابلہ میں اردو اور عربی کو لازمی حیثیت دے تاکہ پاکستانی قومیت کے لیے بہتر فضا پیدا ہو سکے۔

(جناب ڈاکٹر سید عبداللہ)

ناظم انجمن ترقی اردو لاہور۔

(محمد شریف اخگر سرحدی)

صدر انجمن ترقی اردو سرگودھا

یوم پاکستان اور تقریب نفاذ اردو

کل پاکستان اردو انجمنوں کی اٹھارویں سالانہ اردو کانفرنس لاہور کے متفقہ فیصلہ کے مطابق قائد اردو ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی زیر سرپرستی سرگودھا میں مورخہ ۲۲ - ۲۳ مارچ کو اردو کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا تھا جس میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن موسم کی خرابی اور صدر صاحب کی مصروفیات کی بناء پر کانفرنس ملتوی کر دی گئی۔ انجمن ترقی اردو سرگودہا نے کانفرنس کے متبادل یوم پاکستان کے موقعہ پر ایک عظیم الشان تقریب نفاذ اردو کا اہتمام سرگودہا پریس کلب میں کیا اس تقریب میں مقامی و بیرونی بلند پایہ ماہرین تعلیم شعراء کرام اور صحافیوں کی ایک کثیر تعداد نے شمولیت کی۔ تقریب کی صدارت میونسپل کارپوریشن سرگودہا کے میئر جناب حافظ محمد یونس نے کی جبکہ پروفیسر غلام جیلانی اصغر (تمغۂ امتیاز) اور پروفیسر مصطفٰے عین بخاری مہمانان خصوصی تھے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم رو داد کے سپرد تھے۔ تلاوت قرآن حکیم اور نعت رسول مقبول ؐ کے بعد انجمن ترقی اردو کے صدر محمد شریف خان اخگر سرحدی کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی انہوں نے قومی زبان کی افادیت و اہمیت پر بڑے مدلل انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

علاوہ ازیں انہوں نے یہ قرارداد پیش کی۔

"انجمن ترقی اردو سرگودہا یوم پاکستان کی اس تقریب سعید میں صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق کی اسلامی علوم وفنون کی سرپرستی اور اردو دوستی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں گزارش کرتی ہے کہ دنیا میں پاکستان کے قومی امتیاز کو نمایاں کرنے اور ملک کی سالمیت و استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے قومی زبان اردو کے مکمل نفاذ کا حکومتی سطح پر جلد اعلان فرما کر وقت کے اہم تقاضا کی تکمیل کریں شرکاء تقریب پاکستان میں انگریزی زبان کی بالادستی کو قومی حمیت کے سراسر منافی سمجھتے ہیں یہ تقریب اپنے ہم وطنوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے نجی اداروں میں اردو زبان کے استعمال کو لازمی طور سے اپنا کر اپنے قومی احساس کا ثبوت فراہم کریں۔"

اس کی تائید روزنامہ شعلہ کے مدیر مسئول اور عظیم شاعر جناب میر عبدالرشید اشک نے کی جبکہ حاضرین نے ہاتھ بلند کر کے اس کی حمایت کا اعلان کیا۔ میر عبدالرشید اشک نے کہا کہ صدر مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب کی اردو دوستی اور موجودہ حکومت کا طرز عمل امید افزا ہے اس کے ثبوت میں جنرل صاحب کا ہر مجلس میں اردو زبان میں تقریر کرنا اور حکومت پاکستان کی طرف سے مقتدرہ قومی زبان کا قیام درخشندہ مثالیں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حکومت کے تمام اداروں کو چاہیے کہ وہ حکومت کی ہدایات کے مطابق اپنی تمام تر کارروائیاں اردو میں شروع کر دیں تاکہ اردو اپنا اصل مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے اردو زبان کا نفاذ پاکستان کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے تعلیمی بورڈ کے کارکن کامران رشید نے کہا کہ بدقسمتی سے میں ثانوی بورڈ میں ملازم ہوں وہاں حکومت کی طرف سے اردو رائج کرنے کے لیے جو خطوط آتے ہیں اُس پر بورڈ کے اعلیٰ افسران انگریزی میں ہدایت جاری کرتے ہیں۔ دفاتر میں اردو زبان کا اجرا بہت ضروری ہے پروفیسر ہارون الرشید تبسم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی

راہنمائی کے لیے جو رسول بھیجے اُن پر ان کی زبان میں وحی نازل فرمائی تاکہ وہ باآسانی سمجھ سکیں۔ لیکن قومی زبان کے ہوتے ہوئے کسی غیر ملکی زبان کا تسلط اسلام کے سراسر منافی ہے۔ اردو ذریعہ تعلیم ہی ہمارے ملک میں کامیاب ثابت ہو سکتا ہے قائد اعظم نے ڈھاکہ میں ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے واضح طور پر اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا تھا لیکن افسوس کا مقام ہے کہ قائد اعظم اور علامہ اقبال کے واضح ارشادات کے باوجود اردو عدالتی تعلیمی اور دفتری زبان نہ بن سکی۔ موتمر عالم اسلامی کے صدر جناب ڈاکٹر ایم محی الدین قاضی ایڈووکیٹ نے کہا قیام پاکستان کے مطالبات میں دو قومی نظریے کی بنیاد زبان پر استوار تھی حضرت قائد اعظم اردو کو پاکستان کی قومی زبان بنانا چاہتے تھے۔ لیکن اُن کے انتقال پر ملال کی وجہ سے تاحال اردو کو پاکستان کی تعلیمی عدالتی اور دفتری زبان بننے کا شرف حاصل نہ ہو سکا اردو پاکستان کی مختلف تہذیبوں کے اتحاد اور قومی یک جہتی کی علامت ہے۔ اردو کو قومی زبان کی حیثیت تو تحریک پاکستان کے زمانے میں ہی حاصل ہو گئی تھی قومی زبان کے ہوتے ہوتے ہمیں غیر ملکی زبان کی چنداں ضرورت نہیں۔ اردو اسلامی ثقافت کی امین اسلامی علوم کی خزینہ دار اور پاکستان کے عوام کے تشخص اور یک جہتی کی علامت ہے انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ ملک میں فوری طور پر اردو زبان کو نافذ کیا جائے اور ایسے افسران کا محاسبہ کیا جائے جو قومی زبان کے دشمن ہیں۔ کامرس کالج سرگودھا کے پرنسپل شان احمد نے کہا کہ انگریزی زبان کی بالادستی کیوجہ سے ہمارا تعلیمی معیار دن بدن گرتا جارہا ہے۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں ہی اس زبان سے اکتا چکے ہیں تعلیمی نتائج سے صاف پتہ چلتا ہے کہ طلباء کی کثیر تعداد انگریزی میں فیل ہوتی ہے کامرس کے مضامین اردو زبان میں بخوبی پڑھے اور پڑھائے جا سکتے ہیں بورڈ آف سٹڈی کامرس کو سفارشات روانہ کی جا چکی ہیں وہ بی کام کلاسز کے طلبا کو اردو میں جواب تحریر کرنے کی اجازت دیں میاں شان احمد نے مزید کہا کہ چاروں صوبوں کے عوام کی سوچ اور فکر کو ایک کرنے کے لیے اردو زبان کا نفاذ بہت ضروری ہو گیا ہے انہوں نے اہل پاکستان سے اپیل کی کہ وہ اردو اپنائیں اگر ہم اردو زبان کے ساتھ مخلص ہیں تو یقیناً ہمارے لیے ترقی کی راہیں ہموار ہیں۔

گورنمنٹ کالج سرگودھا کے پرنسپل صاحبزادہ عبدالرسول نے کہا کہ کانگرس نے اپنی وزارتوں کے دور میں لسانی فسادات کو بھی ہوا دی تھی لیکن قائد اعظم نے شروع ہی سے اردو کو قومی زبان بنانے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا تحریک پاکستان میں بھی مذہب۔ اردو زبان اور اردو رسم الخط کا دفاع شامل تھا انگریزی زبان کی بالادستی کیوجہ سے ہم آج آزاد ہو کر بھی غلام ہیں موجودہ حکومت جہاں کئی اسلامی دفعات اور قومی لباس کے اجراء کے احکامات نافذ کر چکی ہے آسے چاہیے کہ اردو کو سرکاری زبان کے طور پر نافذ کرنے کا اعلان بھی کر دے۔

ملک کے معروف ماہر تعلیم جناب پروفیسر غلام جیلانی اصغر (تمغۂ امتیاز) نے کہا اردو چاروں صوبوں کے مابین رابطہ کی زبان ہے۔ اردو پاکستان کے وقار کا نام ہے ہر تہذیب اور ہر قوم اپنی زبان سے پہچانی جاتی ہے اس لیے پاکستان میں قومی زبان اردو کا نفاذ اشد ضروری ہے پروفیسر مصطفےٰ حسین بخاری نے کہا ملک میں انگریزی میڈیم سکولوں کی رسہ کشی جاری ہے گرانقدر فیسیں وصول کی جاتی ہیں ملک میں طبقاتی تقسیم کی ایک مہم شروع ہے لیکن ہم اس معاشرتی برائی سے ناآشنا ہیں۔

اس زبان کے مسئلہ کی وجہ سے پاکستان کے دو ٹکڑے ہوتے اس لیے ضروری ہے کہ قومی زبان کو فروغ دیا جائے۔ تعلیمی اداروں میں انگریزی زبان کو اختیاری مضمون کی حیثیت دے دی جائے حکومت اپنے تمام ذیلی اداروں کو حکم دے کہ وہ تمام کاروائی اردو میں کریں ایسا نہ کرنے والے افسران کے خلاف کاروائی عمل میں لائی جائے صدر پاکستان تو غیر ملکی دوروں میں بھی اردو میں تقریر کرتے ہیں ہمیں اپنی مساعیٔ جمیلہ کے مطابق اردو کو اس کا اصل حق دینا چاہیے لیکن ہمارے افسران انگریزی بولنے کو بطور فیشن استعمال کرتے ہیں۔

انجمن شہریان سرگودھا کے جنرل سیکرٹری ملک عبد الحمید نے کہا کہ دکانداران کو چاہیے کہ وہ اپنی دکانوں کے تمام بورڈ اردو میں تحریر کریں اپنی فرموں کے انگریزی تمام برطرف کر کے اردو ناموں کی ترویج کر کے اپنی قومی حمیت کا قابل فخر ثبوت پیش کریں۔

تقریب کے صدر منیر کارپوریشن حافظ محمد یونس نے کہا ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ کچھ خفیہ ہاتھ پاکستان کے نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کی بجائے غیر اسلامی اور لادینی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے ہیں ملتِ اسلامی کا سفینہ اسی وقت ساحل مراد تک پہنچ سکتا ہے جب ہم اپنے تعلیمی بادبان کی سمت واشنگٹن یا لندن کی بجائے مکہ و مدینہ کی طرف کریں گے اس سلسلہ میں اردو زبان کو سرکاری طور پر رائج کرنا اور عربی، اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانا وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے حکومت سے اپیل ہے کہ نفاذ اردو کی تاریخ کے آغاز کے لیے ایک آرڈیننس جاری کر دیا جائے انہوں نے کہا انجمن ترقی اردو سرگودھا ملک میں اردو کے نفاذ کے لیے جو کوشش کر رہی ہے وہ قابل ستائش ہیں قائد اعظم نے کہا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہو گی علاوہ ازیں مقامی و بیرونی بلند پایہ شعراء کرام نے قومی زبان کی اہمیت افادیت اور اس کے نفاذ کے لیے منظوم مطالبے کیے حسن عباس زیدی، منیب خالد، ہارون الرشید تبسم، ممتاز عارف، کامران رشید، صوفی فقیر محمد ظہیر الدین ظہیر، شیخ محمد اقبال، راجہ مظفر حسن منصور، شاکر نظامی، میر عبد الرشید اشک، سیف زبیری، پروفیسر غلام جیلانی اصغر اور مولانا اخگر سرحدی نے کلام سنایا۔

ہارون الرشید تبسم ایم اے
ناظم اعلیٰ انجمن ترقی اردو سرگودھا

سلہٹ میں اردو

از

عبد الجلیل بسمل

قیمت : چالیس روپے

رفتارِ ادب

کتاب کا نام : البیرونی اور جغرافیہ عالم
مصنف : مولانا ابوالکلام آزاد
مرتب : ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری
ناشر : ادارہ تصنیف وتحقیق پاکستان۔ پوسٹ بکس ۱۸۰۸۶
الحیدری کراچی ۳۳

"البیرونی اور جغرافیہ عالم" مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ہے جو ان کے انتقال کے بعد جامعہ ملیہ دہلی سے شائع ہوئی زیر نظر کتاب اس کا دوسرا اور پاکستانی ایڈیشن ہے۔ اس میں اصل متن کے علاوہ ابتدائی وضاحتی ابواب کی شمولیت نے کتاب کو نسبتاً جامع اور قابل فہم بنا دیا ہے۔ آغاز کتاب میں البیرونی اور مولانا آزاد کی مختصر سوانح عمریاں ہیں پیش لفظ میں مولانا آزاد کی اردو اصلاح کی کاوشوں کا تذکرہ ہے اور لسان الصدق کا ذکر ہے جو مولانا نے ۱۹۰۳ء میں جاری کیا تھا اور وہ انجمن ترقی اردو کا بھی ترجمان تھا۔ اس وقت انجمن کے سکریٹری مولانا شبلی تھے۔ پیش لفظ کے بعد ابوالکلام آزاد کے عنوان سے ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری نے مولانا آزادی کی شخصیت سے متعلق نہایت معلومات افزا مواد یکجا پیش کر دیا ہے اس کے بعد مسیح الدین صاحب نے مخطوطے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

مولانا آزاد نے البیرونی اور جغرافیہ عالم پر تقریباً بیس عنوانات کے تحت جغرافیہ اور ہیئت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مولانا ماہر جغرافیہ دان یا ماہر ہیئت نہ تھے بلکہ انہیں علوم سے دی لگاؤ تھا البیرونی سے ذہنی موافقت تھی جس کی بناد پر انہوں نے اس کتاب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک ہزار برس کی مدت میں جدید علوم و آلات کی روشنی میں البیرونی کے فیصلے نظر ثانی کے محتاج تھے۔ چنانچہ مولانا نے ایسا کیا۔ اطوال کا فرق ہندی حساب کی غلطیاں، قبتہ الارض وغیرہ ایسے موضوع ہیں کہ ان پر جدید تحقیقات کی روشنی میں پھر نظر ثانی کرنی ہے۔ اس کتاب کا ایک تاریخی پہلو بھی ہے جو البیرونی اور محمود غزنوی کے تعلقات اور البیرونی کی حدود سیاحت پر مبنی ہے۔ کتاب کے آخر میں انگریزی الفاظ کے مترادفات کی فہرست دی گئی ہے جو بہت مفید ہے۔ ان میں رصد، مذہب، تخلیط وغیرہ لائق غور ہیں۔

مرتب کتاب ہذا نے نہایت عرق ریزی سے اس ایڈیشن کو مرتب کیا ہے وہ اپنی اس علمی کاوش کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔
(ادارہ)

کتاب کا نام : ماہنامہ اظہار جنوری ۱۹۸۲ء سیرت نبوی نمبر

ایڈیٹر : کریم بخش خالد

ناشر : شعبۂ مطبوعات، محکمہ تعلقات عامہ

حکومت سندھ کراچی

رسالہ اظہار کا سیرت النبی نمبر پیش نظر ہے۔ اس رسالہ کا آغاز "بات چیت" کے تحت" نبی اکرم سے وفا کے تقاضے" کے عنوان سے ایک مضمون سے کیا گیا ہے۔ اس میں چند قرآنی احکامات بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا اور اس ذات پاک پر درود وسلام کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ابتدا بڑی اچھی ہے۔ اس کے بعد اس جریدے کی ترتیب کچھ یوں ہے نعتیں، سیرت کے چند پہلو، پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر اسلام کا پیغام، قصیدۂ بردہ کا منظوم ترجمہ، پھر نعتیں اور آخر میں احوال وطن کے تحت گردوپیش میں سیرت کے اجتماعات اور دیگر حالات کا مختصر جائزہ دیا گیا ہے۔ یہ شمارہ حسن ترتیب کا ایک اچھا نمونہ ہے ۴۸ صفحات کے ایک جریدہ میں اچھا اور معلوماتی مواد اکٹھا کرکے اس کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اظہار کے مطالعہ سے یہ بات بلا کسی باک کے کہی جاسکتی ہے کہ جناب کریم بخش خالد جن کی مساعی کے ثمرات جریدہ اظہار کی شکل میں اہل ذوق تک پہنچ رہے ہیں جہاں ایک اچھے ادیب و ادب دوست ہیں وہاں ایک اچھے مرتب ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی لگن بھی رکھتے ہیں۔ ان کی ان خدمات کو نہ سراہنا بخل سے کم نہیں ہوگا۔

(توقیر صدیقی)

کتاب کا نام : تندرستی کے راز

تالیف : زبدۃ الحکماء حکیم نور احمد

مکتبہ : نور الصحت ۳۹/۱۲ - عبدالکریم روڈ - لاہور

قیمت : چار روپے

زیر نظر کتابچے میں بیس عنوانوں کے تحت حکیم صاحب نے تندرستی کے راز بیان کئے ہیں۔ اس زمانے میں بیماریاں اتنی عام ہو گئی ہیں کہ علاج کے اخراجات ہر شخص کی سکت سے باہر ہیں اگر اشخاص حکیم صاحب کی باتوں پر عمل کریں تو زندگی نسبتاً آرام سے گذر سکتی ہے۔ یہ کتابچہ طبی سطح پر نہایت معلوماتی اور مفید ہے۔

(جلیل الرحمن شامی)

کتاب کا نام : حرف حرف آئینہ

مصنف : سرور سنبھلی

ناشر : ادارہ تسنیم کراچی

بار اول : مارچ ۱۹۸۱ء
قیمت : بیس روپے

حرف حرف آئینہ جناب سرور سنبھلی کے کلام کا مجموعہ ہے۔ زیادہ تر غزلیں ہیں باقی گیت، نعتیں، منقبت، قطعات، رباعیات، مرثیہ دیگر اصناف سخن بھی ہیں۔

حضرت جگر مرادآبادی نے سرور سنبھلی صاحب کے کلام کے متعلق اپنی رائے تحریر کی جس کا عکس اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

جگر صاحب فرماتے ہیں۔

"ان کے کلام کا اکثر و بیشتر حصہ صحیح معنوں میں "ادب و شعر" کی تعریف میں آتا ہے۔ وہ تمام اصناف سخن برتادر ہیں لیکن طبیعت کا میلان غزل ہی کی جانب ہے لیکن جیسا کہ میں تحریر میں اوپر اشارہ کرچکا ہوں وہ ایک بلند پایہ شاعر ہیں"

جناب جگر برصغیر کے مشہور و معروف شاعر ہیں ان کی رائے ایک سخن شناس کی رائے ہے جس کی بہت وقعت ہے لیکن اس میں ایک خلش رہ گئی۔

جگر صاحب اگر چند منتخب اشعار اپنی تحریر میں شامل کر دیتے تو شاعر کے اس وقت کے کلام کے متعلق بہت کچھ اندازہ ہوجاتا۔

بہرصورت سرور سنبھلی سے توقعات وابستہ ہیں۔ کلام کی یہ اشاعت ان کو مبارک ہو اور قارئین اس کے مطالعے سے خط اٹھائیں۔

(جلیل الرحمن شامی)

ماخذات

جلد دوم

احوالِ شعراء و مشاہیر

یہ تالیف کتابیاتی اور شخصیاتی معلومات و حوالہ جات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔
اور دنیائے ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔

قیمت : پینتیس روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ، کراچی نمبر ۱

نئے خزانے

ابو سلمان شاہجہانپوری

یہ اشاریہ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔

ادب و لسانیات
اردو زبان اور اس کے مسائل
ادب ... مسائل و مباحث
دیگر زبانوں کا ادب
ادارے
خودنوشت
تاریخ و سیاست
تعلیم
تہذیب و ثقافت
سیر و سیاحت
شخصیات
پیغمبر اور اصحابہ کرام
علامہ اقبال
تلیح بیگ
ادبی شخصیات
تاریخی و سیاسی شخصیات
مذہبی شخصیات
صحافت
طب و صحت
کتابیات
مذہبیات
آئین و قانون
سیرت نبوی
قرآنیات
مسائل و مباحث مذہبی

اس اشاریے کی ترتیب میں ستمبر/اکتوبر ۱۹۸۱ء اور
دیگر مہینوں کے مندرجہ ذیل وسائل سے مدد لی گئی ہے

ماہنامہ	اخبار اردو	کراچی	ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۱ء	ماہنامہ	قومی زبان	کراچی	ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۱ء
سہ ماہی	اردو	"	اپریل "	"	کتاب	لاہور	اگست ستمبر "
ماہنامہ	اظہار	"	جولائی / اگست "	"	محدث	"	ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ
"	افکار	"	ستمبر "	"	محفل	"	ستمبر ۱۹۸۱ء
"	اوراق	لاہور	" "	"	المعارف	"	" "
"	برہان	دہلی	اکتوبر "	"	نگار پاکستان	کراچی	اگست ستمبر "
"	البلاغ	کراچی	ستمبر، اکتوبر "	"	الولی	حیدرآباد	مارچ "
"	بینات	"	اگست، ستمبر "	"	ہمدرد صحت	کراچی	ستمبر "
"	پیام عمل	لاہور	جولائی تا ستمبر "	پندرہ روزہ	تیمر حیات	لکھنؤ	جولائی تا ستمبر "
"	ترجمان الحدیث	لاہور	اگست تا اکتوبر "	"	خبرنامہ طب	لاہور	اگست دوم "
"	ترجمان القرآن	"	" " "	"	صحیفہ اہل حدیث	کراچی	اگست، ستمبر "
"	جامعہ	دہلی	" " "	ہفت روزہ	الاسلام	لاہور	اگست تا ستمبر "
"	الجامعہ	جھنگ	شوال / ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ	"	الاعتصام	"	" " "
"	الحق	اکوڑہ خٹک	ستمبر ۱۹۸۱ء	"	الہام	بہاولپور	" " "
"	الرشید	لاہور	اکتوبر "	"	انصاف	راولپنڈی	" " "
"	سب رس	کراچی	ستمبر "	"	چٹان	لاہور	" " "
"	سوداگر	"	اگست، ستمبر "	"	خدام الدین	"	" " "
"	صدائے اسلام	پشاور	جولائی "	"	رضاکار	"	" " "
"	طلوع اسلام	لاہور	ستمبر، اکتوبر "	"	کشمیر	راولپنڈی	" " "
"	فاران	کراچی	اگست، ستمبر "	"	لاہور	لاہور	" " "
سہ ماہی	فروزاں	لاہور	جولائی، اکتوبر "	"	مخلص	ڈیرہ اسماعیل خان	" "
ماہنامہ	فکر و نظر	اسلام آباد	اگست، اکتوبر "	"	المنبر	فیصل آباد	جون، جولائی "
"	فیض الاسلام	راولپنڈی	" "	"	ہماری زبان	دہلی	جولائی تا ستمبر "

ادب ولسانیات

اُردو زبان اور اس کے مسائل

حیات اللہ انصاری	اردو بھی اپنی ہندی بھی اپنی	ہماری زبان	دہلی	یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء	ص ۳
خلیق انجم، ڈاکٹر	اردو اداروں کی مخالفتیں	〃	〃	۱۵ر اگست 〃	ص ۳
〃 〃	جہادیوں ورما کی اردو دشمنی	〃	〃	یکم، ۸ر جولائی 〃	ص ۲
رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر	اردو ہندسے اور علوم ریاضی کی علامتیں	اخبار اردو	کراچی	ستمبر 〃	ص ۷
سعادت علی صدیقی	اردو سرکاری زبان	ہماری زبان	دہلی	۲۲ر جولائی 〃	ص ۴
سہیل بخاری، ڈاکٹر	اُستفاقی لغت	اردو	کراچی	اپریل 〃	ص ۱۴۵
شفقت رضوی، پروفیسر	اہل یورپ کی اردو خدمات	سب رس	〃	ستمبر 〃	ص ۱۲
عبداللہ، ڈاکٹر سید	دفتری زبان کا نصاب تعلیم سے تعلق	اخبار اردو	〃	اکتوبر 〃	ص ۶
عقیل، ڈاکٹر معین الدین	اردو میں انگریزی الفاظ کا استعمال (۲)	〃	〃	ستمبر 〃	ص ۴
قلیچ بیگ، مرزا	اردو ــــ اور کارآمد زبان	اظہار	〃	جولائی 〃	ص ۴۵
محمد حسنین، سید	اردو کا مستقبل	ہماری زبان	دہلی	۸ر اکتوبر 〃	ص ۱

ادب ــــ مسائل ومباحث

ابرار حسین ہاشمی	کچھ فن تاریخ گوئی کے بارے میں	نگار پاکستان	کراچی	اگست 〃	ص ۵۷
انور دہلوی	ایک عروضی غلطی	قومی زبان	〃	اکتوبر 〃	ص ۳۲
تبسم کاشمیری، ڈاکٹر	تحقیق کے طریقے	نگار پاکستان	〃	اگست 〃	ص ۳۱
〃 〃	مفروضہ کیا ہے؟	قومی زبان	〃	ستمبر 〃	ص ۳۴
ثاقبہ رحیم الدین	موجودہ تخلیقی ادب میں جمالیاتی عناصر کا فقدان	نگار پاکستان	〃	اگست 〃	ص ۷۱
حامد بیگ، مرزا	ڈوبتے والے کا عذاب	اوراق	لاہور	ستمبر 〃	ص ۶۵
حبیب الرحمن، پروفیسر	کلاسیکیت اور رومانیت	سب رس	کراچی	〃	ص ۱
حسن نعیم	وہی جشمکیں وہی صحبتیں	ہماری زبان	دہلی	۱۵ر اگست 〃	ص ۱۰

ثاقبہ رحیم الدین	قلم قبیلہ اور آج کا موضوع ؎	افکار	کراچی	ستمبر	۱۹۸۱ء	ص ۲۵
حنیف کیفی، ڈاکٹر	آزاد نظم کی ہیئت اور تکنیک	اوراق	لاہور	"	"	ص ۱۳
شادر نگرامی، ڈاکٹر	اردو نظم و نثر کے بانی اور رہبر اثنا عشری ہیں	رضاکار	"	یکم "	"	ص ۵
ریاض صدیقی	مسئلہ صنف دوہا	اوراق	"	"	"	ص ۷۰
شہاب الدین انصاری	ڈاکٹر انصاری کے چند خطوط	جامعہ	دہلی	اگست	"	ص ۳۱
عظیم فیروز آبادی	کیا انبار خاطر کا مقدمہ محمد اجمل خاں کا لکھا ہوا ہے؟	ہماری زبان	"	۲۲ ستمبر	"	ص ۸
غلام حیدر، ملک	اسلام اور شاعری	فکر و نظر	اسلام آباد	اگست	"	ص ۳۹
فاروق عثمان	ہم کلامی سے شعور کی رو تک	اوراق	لاہور	ستمبر	"	ص ۷۵
قدرت نقوی، سید	دیباچہ — ایک صنف ادب	قومی زبان	کراچی	اکتوبر	"	ص ۲۱
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	فن داستان اور داستانیں	نگار پاکستان	"	اگست	"	ص ۴۴
فقیر مہر	مثنوی سنگھاسن بتیسی	اردو	"	اپریل	"	ص ۴۹
وارث سرہندی	علم نافع کی اہمیت	فروزاں	لاہور	اکتوبر	"	ص ۲۴
محمد علی صدیقی	ادب، انانیت اور نرگسیت	افکار	کراچی	ستمبر	"	ص ۱۲
وزیر آغا، ڈاکٹر	قصہ نثری نظم کا	اوراق	لاہور	"	"	ص ۸۲

دیگر زبانوں کا ادب

امیرالدین خاں جے پوری	قصیدہ بانت سعاد	ترجمان اہل سنت	کراچی	"	"	ص ۲۴
ایوب قادری، ڈاکٹر	دیرگا تھا کال اور رزمیہ عہد	قومی زبان	"	"	"	ص ۱۸
رفعت اختر خاں	فرانسیسی شاعری کی ایک مخصوص ہیئت ترائیلے	ہماری زبان	دہلی	۸ اکتوبر	"	ص ۸
"	ہائی کو — ایک جائزہ	"	"	یکم اگست	"	ص ۳
عزیز بگٹی	بلوچی زبان و ادب کی ترویج و ارتقا	کتاب	لاہور	ستمبر	"	ص ۷

؎ اس موضوع پر لکھنے والے حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں: پروفیسر مجتبیٰ حسین، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، پروفیسر سجاد باقر رضوی، خاطر غزنوی، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، صہبا لکھنوی

ادارے

اکرم کامل	منقدرہ قومی زبان	کتاب	لاہور	ستمبر	۱۹۸۱ء	ص	۱۰
شفیق جین	انجمن کشمیری برادری تحصیل گوجر خان	کیشر	راولپنڈی	۶ر اکتوبر	"	ص	۲

خود نوشت

محمد احمد سبزواری	قدیم اخبارات کی اہمیت — دکن کی کہانی	افکار	کراچی	ستمبر	"	ص	۱۵
معین الدین احمد قادری، سید	ماضی کے دیار	جامعہ	دہلی	اکتوبر	"	ص	۲۳

تاریخ و سیاست

ابو طاہر فارانی	امیر المومنین کا لقب اور اس کا پس منظر	لاہور	لاہور	۹ر اگست	"	ص	۱۱
" "	ام المومنین کی اصطلاح	"	"	۱۶ر "	"	ص	۸
" "	دفاع وطن	"	"	۲۵ر اکتوبر	"	ص	۶
ابو طلحہ میدانی	پاکستان میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش کا تاریخی پس منظر	خدام الدین	"	۱۴ر اگست	"	ص	۷
احتشام احمد ندوی، پروفیسر سید	انڈونیشیا کی اسلامی تحریکیں	تعمیر حیات	لکھنو	۲۵ر "	"	ص	۱۴
امتل	اسلامیان ہند، مسلم لیگ، پاکستان	چٹان	لاہور	۱۷ر "	"	ص	۲۲
آفتاب ایگزینڈر	آزادی پاکستان	الہام	بہاولپور	۱۴ر "	"	ص	۵
پروفیسر (غلام احمد)	افغانم آرزوست	طلوع اسلام	لاہور	ستمبر	"	ص	۱۰
تحسین جعفری	جامع مسجد سری نگر	انصاف	راولپنڈی	۲۹ر "	"	ص	۵
ثاقب زیرمدی	ارتسانیوں کی تحریک مزاحمت	لاہور	لاہور	۴ر اکتوبر	"	ص	۶
ثروت صولت	شمالی قفقاز اور داغستان کی تاریخ پر ایک نظر	المعارف	"	ستمبر	"	ص	۲۹
شاہ الحق صدیقی	اسلام کی پہلی دفاعی جنگ	ترجمان اہل سنت	کراچی	"	"	ص	۱۲
جمیل حسین رضوی	تشکیل پاکستان میں شیعوں کا حصہ	رضاکار	لاہور	یکم اکتوبر	"	ص	۲

خالد، کریم بخش	سندھ میں تحریک پاکستان کا پس منظر	اظہار	کراچی	اگست	۱۹۸۱ء، ص	۳۷
" "	" " " "	"	"	"	" ص	۷۸
خلیل احمد حامدی	ترکی میں اسلام اور سیکولرازم کی کشمکش	ترجمان القرآن	لاہور	"	" ص	۲۶
" " "	" " " " "	"	"	ستمبر	" ص	۱۴
رحمت فرخ آبادی	سمہ حکمرانوں کے علمی کارنامے	فکرونظر	اسلام آباد	اگست	" ص	۱۷
سعید مجتبیٰ السعیدی	معالم المدینۃ المتدرہ	محدث	لاہور	ذوالحجہ	۱۴۰۱ھ ص	۲۹
سمیع اللہ، محمد	وسطی وجنوبی امریکہ اور جزائر غرب الہند میں مسلمانوں کا مستقبل اور ان کے مسائل	البلاغ	کراچی	اگست	۱۹۸۱ء ص	۴۵
" " "	وسطی وجنوبی امریکہ اور جزائر غرب الہند میں مسلمانوں کے حالات اور مستقبل	"	"	اکتوبر	" ص	۴۵
شریف الدین پیرزادہ	تصور پاکستان کا ارتقا	اظہار	"	اگست	" ص	۲۹
شفیق مرزا	مصری صحافی حسین ہیکل سے انٹرویو	چٹان	لاہور	۱۰، "	" ص	۱۱
"	مفرور بنی صدر کی کہانی ان کی اپنی زبانی	"	"	۲۴، "	" ص	۱۰
شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر	تحریک پاکستان کا اقتصادی پس منظر	اظہار	کراچی	"	" ص	۳۴
شیر محمد گریوال	تاریخ اور مورخ	چٹان	لاہور	۱۴، ستمبر	" ص	۳۵
"	تحریک پاکستان کے بنیادی محرکات	"		۱۰، اگست	" ص	۱۸
صلاح الدین، محمد	کیا اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کی گنجائش ہے؟	فاران	کراچی	ستمبر	" ص	۴۱
ضیاء الحق، صدر مملکت جنرل	تحریک پاکستان کا اصل مقصد	اظہار	"	اگست	" ص	۲۵
ضیاء الدین لاہوری	منشی اجب علی کی اسناد خیر خواہی	جامعہ	دہلی	ستمبر	" ص	۷
طاہرہ نگہت	پاکستانی قومیت	قومی زبان	کراچی	"	" ص	۴۳
" "	"	"	"	اکتوبر	" ص	۴۰
عبدالصمد دامنی	تحریک حریت کشمیر	کشمیر	راولپنڈی	۸، ستمبر	" ص	۴
عبدالرشید خاں	وادی سندھ میں عربوں کی آمد	اظہار	کراچی	اگست	" ص	۸۵

عبدالمومن فاروقی، مولانا	کعبۃ اللہ	خدام الدین	لاہور	۱۱ ستمبر	۱۹۸۱ء، ص	۱۲
عبدالعزیز، میر	غیر جانبدار تحریک اور پاکستان	انصاف	راولپنڈی	۱۵ ر "	" ص	۷
عرشی، مولانا امتیاز علی خان	بابر کی موت کا واقعہ کیا تھا؟	اردو	کراچی	اپریل	" ص	۵
غلام محمد لاکھو	سمہ دور کی علمی و سرکاری زبان	"	"	"	" ص	۴۵
فداحسین، فداحسین	سن ہجری اور قمری حساب	فیض الاسلام	راولپنڈی	اکتوبر	" ص	۲۷
قمر، محمد منیر	فری میسن (۱)	الاسلام	لاہور	۱۱ ستمبر	" ص	۵
" "	" " (۲)	"	"	۲۵ ر "	" ص	۹
" "	" " (۳)	"	"	۲ اکتوبر	" ص	۱۷
مبارک علی، ڈاکٹر	تاریخ کے نظریات - جی - جے رینارڈ	قومی زبان	کراچی	ستمبر	" ص	۷
" "	" " "	"	"	اکتوبر	" ص	۹
" " "	عربوں کی فتح سندھ	فکر و نظر	اسلام آباد	"	" ص	۳۰
محمد صاحب، مولانا	مختصر تاریخ بیت اللہ شریف	خدام الدین	لاہور	۲۸ اگست	" ص	۹
محمد اسلم، پروفیسر	برصغیر میں اسلام کی آمد	الجامعہ	جھنگ	ذی قعدہ	۱۴۰۱ھ ص	۳۳
محمد ایوب قادری، ڈاکٹر	سندھ کی سرزمین علماء و صوفیہ کا مرکز	ترجمان اہل سنت	کراچی	ستمبر	۱۹۸۱ء ص	۴۰
محمد سعید، پروفیسر حافظ	امت کی سیاسی منزل - ملت کا قیام	محدث	لاہور	"	" ص	۲
محمد یوسف فاروقی	عہد نبوی کے دو قدیم سیاسی و معاشرتی ادارے - عرافہ اور نقابہ	فکر و نظر	اسلام آباد	اکتوبر	" ص	۱۶
محمود الازہار ندوی	مصر میں اسلام دشمنی کا تیسرا دور	تعمیر حیات	لکھنؤ	۲۵ ستمبر	" ص	۳
شیر الحق، پروفیسر	ہندوستان کا اسلامی معاشرہ	جامعہ	دہلی	اگست	" ص	۷
منور علی خان، پروفیسر	تحریک پاکستان میں قائداعظم کا مرکزی کردار	اظہار	کراچی	"	" ص	۴۳
یعقوب حیدری	اسلامی انقلاب ایران اور آیت اللہ محمود طالقانی	پیام عمل	لاہور	جولائی "	" ص	۴۵
	سرزمین لالہ و گل - کشمیر	کشیر	راولپنڈی	۲۸ ر	ص	۴

تعلیم

ابوسلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر	نصاب تعلیم اور قومی زبان	اخبار اردو	کراچی	اکتوبر	ص	۱۰

اشرف، حکیم عبدالرحیم	جامعہ تعلیمات اسلامیہ	البرز	فیصل آباد	۲۹ جون	۱۹۸۱ء	ص ۵
" " "	" " " کا مخور	"	"	"	"	ص ۲۳
" " "	دعوت و تبلیغ کے پروگرام	"	"	"	"	ص ۳۵
آفتاب احمد نقوی	حصول علم کی اہمیت اور درس گاہ رسالت	فرزدان	لاہور	اکتوبر	"	ص ۶۰
رشید محمود، راجا	تعلیم، نصاب اور تدریس	"	"	جولائی	"	ص ۱۴
سمیع الحق، مولانا	مدارس عربیہ کے نصاب پر تقریظانی کی ضرورت	تعمیر حیات	لکھنو	۲۵ اگست	"	ص ۹
صابر آفاقی، ڈاکٹر	ایجوکیٹرز کلب کی تعلیمی اہمیت	کیئر	راولپنڈی	"	"	ص ۷
محمد اسحاق بھٹی	برصغیر میں نصاب تعلیم کا اولین بانی (مولانا نظام الدین فرنگی محلی)	فروزان	لاہور	اکتوبر	"	ص ۷
محمد اشرف سلیمانی	دینی تعلیم اور عصری تقاضے	تعمیر حیات	لکھنو	۱۰ ستمبر	"	ص ۱۱
محمد سلیم، سید	فن تعلیم و تدریس پر مسلمانوں کی تصنیفات	فروزان	لاہور	جولائی	"	ص ۳۶
محمد صدیق، مولانا	دینی مدارس کے اساتذہ کرام اور ارباب انتظام سے چند ضروری باتیں	تعمیر حیات	لکھنو	۲۵ ستمبر	"	ص ۹
محمد ولی رحمانی، مولانا	دینی مدارس میں صنعت و حرفت کی تعلیم	"	"	اکتوبر	"	ص ۱۳
محمود حسین، ڈاکٹر	جدید علمی انکشافات اور تعلیم	نگار پاکستان	کراچی	اگست	"	ص ۲۴
منظور احمد خواجہ	سرسید کی تعلیمی خدمات	قومی زبان	"	اکتوبر	"	ص ۵
عبداللہ، ڈاکٹر سید	مسلمانوں کا فن تعلیم	فروزان	لاہور	جولائی	"	ص ۷
مسعود الرحمن خان ندوی، ڈاکٹر	عربی زبان ــ غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کے نئے طریقے	جامعہ	دہلی	ستمبر	"	ص ۳۵

تہذیب و ثقافت

جمال الدین، سید	ہندی مسلم فن تعمیر ــ مقصد، تکنیک اور جمالیات (۱)	جامعہ	"	"	"	ص ۳۴

جمال الدین، سید	ہندی مسلم فن تعمیر (۲)	جامعہ	دہلی	اکتوبر	۱۹۸۱ء	ص ۲۳
عبدالقادر، شیخ	ہبلا - ایک معدوم سندھی تہذیب	لاہور	لاہور	۱۱"	"	ص ۷
محمد عمر	پھول والوں کی سیر	سوداگر	کراچی	ستمبر	"	ص ۱۹

سیر و سیاحت

قعیب، مولانا محمد دسایا	سفر مدینہ طیبہ	ترجمان اہل سنت	کراچی	"	"	ص ۶
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	بھارت میں ایک مہینہ تین دن	نگار پاکستان	"	اگست	"	ص ۳
محمد زکریا، مولانا	شملہ - ایک مختصر سفرنامہ	تعمیر حیات	لکھنؤ	۲۵"	"	ص ۱۲
محمد عباس خان گنڈہ پور	سفرنامہ دیار حبیبؐ (۲۵)	مخلص	ڈیرہ اسماعیل خان	۸ اگست	"	ص ۲
" " "	" " " (۲۶)	"	"	۸ ستمبر	"	ص ۲
واضح رشید ندوی	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا جنوبی ہند کا دورہ	تعمیر حیات	لکھنؤ	اکتوبر	"	ص ۱
ہارون الرشید صدیقی، ڈاکٹر	مادر علمی ندوہ میں دس روز	"	"	۲۵"	"	ص ۱۲

شخصیات

پیغمبر اور صحابہ کرامؓ

احمد جوہر دہلوی، میر	حضرت امام حسن	رضاکار	لاہور	۲۴ اگست	"	ص ۲
اشرفی، عبدالمجید	سیدنا ابراہیمؑ کی تسلیم و رضا کی کہانی	ترجمان اہل سنت	کراچی	اکتوبر	"	ص ۵
اقبال احمد صدیقی	حضرت عثمان غنیؓ	خدام الدین	لاہور	۲۲"	"	ص ۱۱
ذوالفقار علی کاظمی	علی المرتضیٰؑ	رضاکار	"	یکم اگست	"	ص ۱
عباس محمود عقاد	حضرت علی کی ثقافتی زندگی	پیام عمل	"	جولائی اگست	"	ص ۱۹
عبدالرحمن نقشبندی، ڈاکٹر	صدیقین کا مقام اور ضرورت	الولی	حیدرآباد	مارچ	"	ص ۵
عبدالمجید، پروفیسر	حضرت امیر معاویہؓ	خدام الدین	لاہور	۲۸ اگست	"	ص ۱۷
کوثر نیازی	حضرت علی ابن ابی طالب	رضاکار	"	۲۴ جولائی	"	ص ۱

اقبال

حسن اختر، ڈاکٹر ملک	اقبال اور ملاح	اوراق	لاہور	ستمبر	۱۹۸۱ء	ص ۲۷
رفیع الدین ہاشمی	مسلم نوجوان اور اقبال	محفل	"	"	"	ص ۱۹
طارق عزیز	اقبال کا نظریہ فن	فروزاں	"	اکتوبر	"	ص ۴۸
عابد کماری	اقبال کا نظریہ روحانیت و النانیت	الہام	بہاول پور	۱۴ ستمبر	"	ص ۳
محمد ریاض، ڈاکٹر	اقبال اور تحقیقات اسلامی	فکر و نظر	اسلام آباد	"	"	ص ۴۲
" "	اقبال کا تصور علم و تعلیم	فروزاں	لاہور	اکتوبر	"	ص ۳۳
" "	حضرت ابو عبیدہ الجراح اور حضرت ابو عبید ثقفی — کلام اقبال کی روشنی میں	فاران	کراچی	اگست	"	ص ۴۰
نعیم الدین، ڈاکٹر سید	رومی و اقبال کا تصور عشق	اردو	"	اپریل	"	ص ۱۳
	طریقت (علامہ اقبال کا ایک انٹرویو)	فروزاں	لاہور	جولائی	"	ص ۱۶

قلیچ بیگ

خالد کریم بخش	مرزا قلیچ بیگ کی اردو شاعری	اظہار	کراچی	"	"	ص ۴۵
شاہدہ وزیر علی	قلیچ بیگ - جامع صفات شخصیت	"	"	"	"	ص ۳۱
عفت بانو	" "	"	"	"	"	ص ۲۵
مسرت جبین	" "	"	"	"	"	ص ۲۸

ادبی شخصیات

ابوالکلام قاسمی	سجاد حیدر یلدرم	اوراق	لاہور	ستمبر	"	ص ۵۹
اقبال ساغر صدیقی	شہاب دہلوی اور مشاہیر بہاول پور	الہام	بہاول پور	۲۹ "	"	ص ۶
انجم عثمانی	کرنل محمد خان کا فن	ہماری زبان	دہلی	۲۲ جولائی	"	ص ۱
انور دہلوی	خیام الہند سید جلال الدین حیدر دہلوی	سب رس	کراچی	ستمبر	"	ص ۴۴
انور جمال، پروفیسر	قمر یزدانی کا اسلوب	الجامعہ	جھنگ	شوال	۱۴۰۱ھ	ص ۷۲
انور سدید، ڈاکٹر	عدم کی شاعری	اوراق	لاہور	ستمبر	۱۹۸۱ء	ص ۷
آمنہ مشفق	مولانا عرشی —— شمع بکف قبیلے کی آبرو	ہماری زبان	دہلی	یکم اکتوبر	"	ص ۱
بلراج کومل	نقش فریادی ہے —— فکر تونسوی	اوراق	لاہور	ستمبر	"	ص ۲۶۴

تحسین سروری	میر باقر علی داستان گو	لاہور	لاہور	۲۵ اکتوبر	۱۹۸۱ء	ص	۱۲
تسنیم مینائی	ماہر کے دوست — نثار یار جنگ	فاران	کراچی	اگست	"	ص	۳۵
" "	" " " "	"	"	ستمبر	"	ص	۲۷
ثاقب زیروی	عاشق زیروی کی شہادت	لاہور	لاہور	اگست	"	ص	۵
جمیل آذر	انور سدید کے انشائیے	اوراق	"	ستمبر	"	ص	۵۴
حنیف نقوی	مرزا حاتم علی مہر	ہماری زبان	دہلی	یکم جولائی	"	ص	۴
" "	" " "	"	"	۱۵ "	"	ص	۲
خیال امروہوی، ڈاکٹر	غافل کرنالی	محفل	لاہور	ستمبر	"	ص	۲۴
رشید نثار	مختار صدیقی	اوراق	"	"	"	ص	۴۹
ریاض الرحمن شروانی، ڈاکٹر	پروفیسر ہارون خان شروانی	جامعہ	دہلی	اگست	"	ص	۱۶
سرور اکبر آبادی، ڈاکٹر	حامد حسن قادری	قومی زبان	کراچی	اکتوبر	"	ص	۳۶
شہناز جبیں	سچل سرمست — احوال و کلام	اظہار	"	جولائی	"	ص	۱۸
ظفر الحسن، مرزا	مخدوم بحیثیت ڈرامانگار	قومی زبان	"	اکتوبر	"	ص	۱۲
عبدالعزیز، مہر	سید نسیم الحق شمیم	انصاف	راولپنڈی	۲۲ ستمبر	"	ص	۶
عزیز الدین حسین، ڈاکٹر سید محمد	استاد قمر جلالوی پر ایک نظر	جامعہ	دہلی	اکتوبر	"	ص	۴۳
غافل کرنالی	گٹو دانے — تصنیف یا ترجمہ ؟	ہماری زبان	"	۱۵ اگست	"	ص	۸
غافل انصاری	" " " " "	"	"	۸ اکتوبر	"	ص	۱
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	انتخاب جلیل فتح پوری	نگار پاکستان	کراچی	اگست	"	ص	۷۷
فرید احمد	ہلا داحدی	سب رس	"	ستمبر	"	ص	۳۸
کلیم، محمد خان	گوئٹے پر مشرق کے اثرات	محفل	لاہور	"	"	ص	۱۵
کیانی، ایس اے	عزیز ملک	"	"	"	"	ص	۲۸
کھلر، کے کے	برج نرائن چکبست	ہماری زبان	دہلی	۱۵ جولائی	"	ص	۱
" "	مخدوم محی الدین کے نثری مضامین	"	"	یکم د ۸ر	"	ص	۱
ل۔ احمد	نیاز فتح پوری کی ادبیت	نگار پاکستان	کراچی	اگست	"	ص	۱۱
مجیب رضوی، ڈاکٹر	دیوانہ مرگیا آخر... (پنڈت سندر لال)	جامعہ	دہلی	"	"	ص	۳۹
محمد حنیف، ڈاکٹر	خوش حال خان خٹک کا خاندان اور سلوک و طریقت	الحق	اکوڑہ خٹک	ستمبر	"	ص	۳۳

محمد اسلام، ڈاکٹر	سید صدیق حسن ـ شخصیت اور شاعری	فاران	کراچی	اگست	۱۹۸۱ء	ص ۴۰
محمد صادق قصوری	ڈاکٹر قمر میرٹھی	الہام	بہاول پور	۱، ستمبر	″	ص ۴
مسعود احمد برکاتی، سید	قمر عباس ندیم	سب رس	کراچی	″	″	ص ۳۶
مسعود حسین، پروفیسر	رنگ بھوجی تا چوگان ہستی	ہماری زبان	دہلی	۲۲ ″	″	ص ۱
مصطفی راہی	جگر کا تنقیدی شعور	قومی زبان	کراچی	″	″	ص ۱۲
منظور احمد	چوہدری رحمت اور پاکستان	انصاف	راولپنڈی	۲۲ ″	″	ص ۴
نظر حسنین زیدی، پروفیسر	شکور حسین یاد	سب رس	کراچی	″	″	ص ۴۰
نعیم نقوی، پروفیسر	احمد ندیم قاسمی کی غزلوں کا شعوری افق	قومی زبان	″	″	″	ص ۲۵

تاریخی و سیاسی شخصیات

احمد میاں برکاتی	علامہ سید اختر الحامدی	ترجمان اہل سنت	کراچی	″	″	ص ۳۹
اشفاق احمد	جمال عبدالناصر	چٹان	لاہور	۱۲، اکتوبر	″	ص ۲۵
انور، ابوذکی	صدر سادات	قیم حیات	لکھنؤ	۱۰، اگست	″	ص ۱۲
حیدر حسن، آغا	سید حسین	سب رس	کراچی	″	″	ص ۳۳
خالد، کریم بخش	سلطان فتح علی ٹیپو	لاہور	لاہور	ستمبر	″	ص ۵
ذوالفقار علی رانا، ایم	قدامہ بن جعفر	المعارف	″	″	″	ص ۳۷
ریاض صدیقی	سلطان حسین تاجر کتب	کتاب	″	″	″	ص ۱۴
ستار، عبدالستار، اے	ایک ولی اللہ (محمد احمد نجمی)	سوداگر	کراچی	اگست	″	ص ۶۱
″ ″	برلوری کا نواب محسن الملک (نواب محمد تقی)	″	″	ستمبر	″	ص ۳۱
شہاب دہلوی، سید	محمد بن قاسم فاتح مبلغ	الہام	بہاول پور	۴، اگست	″	ص ۴
صدیق علی خان، نواب	قائد اعظم کا حیدر آباد	لاہور	لاہور	۱۳، ستمبر	″	ص ۵
محمد ارشد اعظمی، مولوی	قاضی ضیاء الدین سنامی	برہان	دہلی	اکتوبر	″	ص ۳۷
محمد حنیف، ڈاکٹر	حاجی دریا خان	بینات	کراچی	ستمبر	″	ص ۵۰
محمد صدیق	آہ! سید جمیل حسین رضوی	رضا کار	لاہور	یکم ″	″	ص ۳

مذہبی شخصیات

ادریس سلفی، محمد	امام مالک کا ایک خط — خلیفہ ہارون الرشید کے نام	صحیفہ اہل حدیث	کراچی	۱۶ اگست	۱۹۸۱ء	ص	۴
" " "	" " " " " " "	"	"	۱۶ ستمبر	"	ص	۷
" " "	" " " " " " "	"	لاہور	اکتوبر	"	ص	۲۱
اطہر مبارک پوری، مولانا	امام ابوالحسن مدائنی	صدائے اسلام	پشاور	جولائی	"	ص	۱۷
اکبر شاہ نجام پوری، سید	یادرفتگان : محمد شریف	الرشید	لاہور	اکتوبر	"	ص	۴
الطاف مجاہد	حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی	الہام	بہاول پور	۲۱ ستمبر	"	ص	۳
اوج، محمد شکیل	صدر الافاضل (مولانا نعیم الدین) مراد آبادی رح	ترجمان اہل سنت	کراچی	اکتوبر	"	ص	۲۴
آسی نقشبندی اضمر احمد	تذکرہ علماء وصوفیاء حافظ آباد	الہام	بہاول پور	۷ اگست	"	ص	۳
" " "	" " "	"	"	۲۸ "	"	ص	۲
" " "	" " "	"	"	۱۴ "	"	ص	۲
" " "	" " "	"	"	۲۱ "	"	ص	۲
برق توحیدی	آہ! مولانا عبدالعزیز السعیدی	الاسلام	لاہور	۲۵ ستمبر	"	ص	۵
برہان الدین، سنبھلی	مولانا سید فخرالدین احمد (مرادآبادی)	صدائے اسلام	پشاور	جولائی	"	ص	۲۶
تصدق حسین، ڈاکٹر	شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات	الولی	حیدرآباد	مارچ	"	ص	۲۶
جمیل احمد میدانی	لعل شہباز قلندر	خدام الدین	لاہور	۱۸ ستمبر	"	ص	۱۴
شمس الدین، قاضی	خالد بن یزید اموی	فکر ونظر	اسلام آباد	"	"	ص	۱۹
شہاب، پروفیسر رفیع اللہ	حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر	پیام عمل	لاہور	جولائی اگست	"	ص	۶۹
صدیق الحسن نعمانی	امام غزالی	"	لاہور	۲۰ ستمبر	"	ص	۷
رضاء المصطفی چشتی	محدث اعظم (مولانا ابوالبرکات سید احمد) پاکستان	ترجمان اہل سنت	کراچی	اکتوبر	"	ص	۳۹
ضیاء الدین لاہوری	سرسید اور علما کے اختلاف کی بنیاد	فکر ونظر	اسلام آباد	ستمبر	"	ص	۴
طفیل احمد جامعی	حضرت بوعلی قلندر	الجامعہ	جھنگ	شوال	۱۴۰۲ھ	ص	۳۴
" "	خواجہ عثمان ہارونی	"	"	ذی قعدہ	"	ص	۳۴
ظہر احمد	امام انقلاب عبیداللہ سندھی	خدام الدین	لاہور	۲۸ اگست	۱۹۸۱ء	ص	۱۲
عاصی نقشبندی، میاں ضمیر احمد	تذکرہ علماء وصوفیاء حافظ آباد	الہام	بہاول پور	۷ اکتوبر	"	ص	۳

عبدالرشید عراقی	امام ابن تیمیہ	ترجمان القرآن	لاہور	اگست	۱۹۸۱ء	ص ۱۶
" "	" "	" "	" "	ستمبر	"	ص ۳۳
" "	" "	" "	" "	اکتوبر	"	ص ۳۹
عبدالعزیز، شیخ	مولانا عبیداللہ سندھی	اظہار	کراچی	اگست	"	ص ۷۴
عبدالعزیز، میاں	مولانا کرم الٰہی فیروزپوری (۶)	الاعتصام	لاہور	۷؍"	"	ص ۸
" " "	" " " (۷)	"	"	۲۱؍"	"	ص ۱۱
" " "	" " " (۸)	"	"	۲۸؍"	"	ص ۹
" " "	" " " (۹)	"	"	۱۱؍"	"	ص ۸
" " "	" " " (۱۰)	"	"	۱۸؍"	"	ص ۱۰
عبدالقدیر، مولوی	مولانا عبدالحی فرنگی محلی	بینات	کراچی	ستمبر	"	ص ۲۱
عبداللہ بھکر، مولانا محمد	مولانا مفتی محمودؒ	"	"	اگست	"	ص ۲۱
عثمان غنی، محمد	آہ مولانا سید امین الحق	خدام الدین	لاہور	۱۸؍ستمبر	"	ص ۹
علی حسن اثر	مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی	قومی زبان	کراچی	اکتوبر	"	ص ۱۸
قیصر، سید اذہر شاہ	شیخ التفسیر مولانا احمد علی	خدام الدین	لاہور	یکم مئی	"	ص ۱
محمد اشرف، ڈاکٹر	حضرت مولانا حسین احمد (مدنی) سے میری ملاقات	"	"	۱۸؍ستمبر	"	ص ۱۹
محمد امین، مولانا	مولانا فضل محمد	بینات	کراچی	اگست	"	ص ۲۹
محمد صادق قصوری	مولانا کرم علی ملیح آبادی	ترجمان اہل سنت	"	ستمبر	"	ص ۲۲
محمد طاہر ملک، ڈاکٹر	جہاد کی حکمت شاہ ولی اللہ کی نظر میں	الولی	حیدرآباد	مارچ	"	ص ۱۸
محمد عارف گوندل، پروفیسر	حضرت امیر خسرو	الجامعہ	جھنگ	شوال	۱۴۰۱ھ	ص ۴۸
" " "	خواجہ امیر حسن سگزی دہلوی	"	"	ذی قعدہ	"	ص ۹
محمد عباس نجمی	امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری	چٹان	لاہور	۲۴؍اگست	۱۹۸۱ء	ص ۲۹
محمد یوسف	تاریخ عزیمت کا ایک باب	ناران	کراچی	ستمبر	"	ص ۸
مزمل حسین جعفری	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	کیٹیر	راولپنڈی	۲۹؍"	"	ص ۶
مسعود علی الحسنی الجیلانی	سید غلام عباس حلمی	رضاکار	لاہور	یکم اگست	"	ص ۶
مظفر محسن، حافظ	نوجوانوں کا مربی (سید مودودی)	چٹان	"	۱۴؍ستمبر	"	ص ۲۳

مصنف	عنوان	رسالہ	مقام	ماہ	سال	صفحہ
مقبول بیگ بدخشانی، مرزا	امیر خسرو وادی سلوک و عرفان میں	المعارف	لاہور	ستمبر	۱۹۸۱ء	ص ۳
——	مولانا کرم الٰہی فیروز پوری	الاعتصام	"	۲۳ اکتوبر	"	ص ۵
——	مولوی نیرالدین مرحوم	بینات	کراچی	اگست	"	ص ۱۱

صحافت

مصنف	عنوان	رسالہ	مقام	ماہ	سال	صفحہ
شفقت رضوی	مولانا حسرت کی صحافت	اردو	"	اپریل	"	ص ۱۰۳
شورش کاشمیری	صحافت کے ارکا نغمہ	چٹان	لاہور	۱۲ اکتوبر	"	ص ۲۹
عابد صفی	عمدۃ الاخبار شاہی	ہماری زبان	دہلی	یکم اگست	"	ص ۱
مظفر عباس	مولانا محمد حسین آزاد کی صحافت	قومی زبان	کراچی	اکتوبر	"	ص ۲۸

طب وصحت

مصنف	عنوان	رسالہ	مقام	ماہ	سال	صفحہ
رستم علی خان، راؤ	سوامی منی رام آمیور ریدکلیم	ہمدرد صحت	"	ستمبر	"	ص ۹۵
——	عوامی طب بحالی صحت کا ایک شاندار نسخ	"	"	"	"	ص ۹
——	ریدک طب	جریدہ طب	لاہور	اگست دوم	"	ص ۱۰

کتابیات

مصنف	عنوان	رسالہ	مقام	ماہ	سال	صفحہ
ابراہیم، شیخ	(کراچی) یونی ورسٹی لائبریری	کتاب	"	"	"	ص ۴
ابوسلمان شاہجہان پوری	نئے خزانے (نومبر ۱۹۸۱ء کے مضامین کا اشاریہ)	قومی زبان	کراچی	ستمبر	"	ص ۵۳
" " "	نئے خزانے (دسمبر ۱۹۸۰ء کے رسائل کا موضوع واشاریہ)	"	"	اکتوبر	"	ص ۴۶
اختر، عبدالحفیظ	قومی اطلاعاتی نظام اور قومی کتب خانے کا کردار	کتاب	لاہور	اگست	"	ص ۷
اختر حنیف،	پاکستان میں کتب خانوں کی ترقی کا ایک منصوبہ	"	"	"	"	ص ۱۳
اکرم کامل	دیس دیس کی کتابی سرگرمیاں	"	"	ستمبر	"	ص ۲۵

انیس خورشید، ڈاکٹر	پاکستان میں لائبریری سائنس کے ۲۵ سال	کتاب	لاہور	اگست	۱۹۸۱ء	ص ۳
ذیشان، فاطمہ زیدی	علم و ادب کی ارتقائی منزلیں اور کتب خانے	"	"	"	"	ص ۳۰
رئیس احمد صمدانی	اسکول آف لائبریرین شپ کراچی	"	"	"	"	ص ۳۲
شکیل عباس، سید	کتب خانے اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی	"	"	"	"	ص ۳۴
شمیم فاروقی	بک بینک اسکیم	"	"	"	"	ص ۴۷
عارف نوشاہی، سید	کتاب خانہ مرعشی۔ قم میں برصغیر کے مخطوطات	فکر و نظر	اسلام آباد	ستمبر	"	ص ۵۹
عبدالحمید نظامی	انڈونیشیا میں فروغ مطالعہ	کتاب	لاہور	"	"	ص ۱۷
" " "	جاپان ـ طلبہ میں مطالعہ کتب کا پچیس سالہ جائزہ	"	"	اگست	"	ص ۴۵
عبدالرشید عراقی، ملک	تصانیف قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱)	الاعتصام	"	۷/۸	"	ص ۲
" " "	" " (۵)	"	"	۲۱/"	"	ص ۲
فضل اللہ فاروقی ندوی	کتب خانہ حکیم محمد سعید میں تین کمیاب سفرنامے	کتاب	"	"	"	ص ۳۶
ملاحت	پاکستان کے خصوصی کتب خانے	"	"	"	"	ص ۲۳
نسیم فاطمہ	ڈاکٹر محمد حسن لائبریری جامعہ کراچی	"	"	"	"	ص ۱۶

مذہبیات

آئین و قانون

سعید احمد اکبر آبادی	دور جدید میں اسلامی قانون (فقہ)	برہان	دہلی	اکتوبر	"	ص ۲۵
سیاح الدین کاکاخیل، سید	اسلامی قانون کی تدوین جدید ـــ اصول اور طریق کار (۲)	فکر و نظر	اسلام آباد	"	"	ص ۳۶
عبیداللہ الاسعدی، مولانا محمد	علمائے دیوبند کی فقہی خدمات	البلاغ	کراچی	اگست	"	ص ۵۷

صباح الدین عبدالرحمن	اسلام میں تصور ریاست نظری اور عملی حیثیت سے	الاعتصام	لاہور	۲۳ اکتوبر	۱۹۸۱ء ص ۲
عبیداللہ الاسعدی، محمد	دارالعلوم دیوبند کی فقہی خدمات	البلاغ	کراچی	"	" ص ۴۱
محمد حسین، چوہدری	پاکستان میں اسلامی شورائی نظام	ترجمان اہل سنت	"	ستمبر	" ص ۴۱
	قرآنی آئین کے بنیادی خط وخال	طلوع اسلام	لاہور	اکتوبر	" ص ۲۵

سیرت نبیؐ

حیدر رضوی، سید امام	افضل البشر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	الجامعہ	جھنگ	ذی قعدہ	۱۴۰۱ھ ص ۸۴
عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد	عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام	فکر ونظر	اسلام آباد	اگست	۱۹۸۱ء ص ۵
عنایت حسن بخاری، پروفیسر	بشریت خیر البشرؐ (۳)	پیام عمل	لاہور	ستمبر	" ص ۲۵
حنیف، مولانا عبیداللہ	ازواج مطہرات کی تعداد کا مسئلہ	ترجمان الحدیث	"	اگست	" ص ۲۵
غلام احمد حریری، پروفیسر	رسول اکرم اور تعمیر انسانیت	" "	"	اکتوبر	" ص ۶
" " "	رسول اکرم کی فصاحت وبلاغت	" "	"	اگست	" ص ۳۴
" " "	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول تعلیم	محدث	"	ذوالحجہ	۱۴۰۱ھ ص ۳۶
محمود احمد برکاتی، حکیم سید	آخری نبی آخری صحیفہ	فروزاں	"	جولائی	۱۹۸۱ء ص ۲۳

قرآنیات

اختر، محمد سعید	تعارف قرآن	الولی	حیدرآباد	مارچ	" ص ۴۳
رشید محمود، راجا	قرآن میں تحقیق وتجسس کی تحریک	فروزاں	لاہور	اکتوبر	" ص ۱۲
شاہد، دوست محمد	اردو تراجم قرآن کریم	لاہور	"	۳۰ اگست	" ص ۹
شہاب الدین ندوی، مولانا محمد	قرآن مجید اور علم حیاتیات	البلاغ	کراچی	"	" ص ۲۷
" " "	" " "	"	"	اکتوبر	" ص ۴۹
عبدالرشید عراقی	قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب نزول	محدث	لاہور	ذوالحجہ	۱۴۰۱ھ ص ۱۱

مسائل ومباحث مذہبی

ابراہیم حدرد	اسلام میں روح آزادی	چٹان	"	۱۷ اگست	۱۹۸۱ء ص ۳۸

احمد شہید، سید	دین محمدی کی نصرت	سوداگر	کراچی	ستمبر	۱۹۸۱ء	ص ۹
ارشد القادری	شوکت اقتدار	الجامعہ	جھنگ	شوال	۱۴۰۱ھ	ص ۱۳
اسلم جیراجپوری، علامہ	وضع حدیث	طلوع اسلام	لاہور	ستمبر	۱۹۸۱ء	ص ۳۲
اعجاز الحق، مولانا سید	زمینداری کا شرعی نظام	خدام الدین	”	۴/ اگست	”	ص ۱۲
انصار ناصری، سید	ہجرت	فیض الاسلام	راولپنڈی	اکتوبر	”	ص ۵۳
آزاد، مولانا ابوالکلام	الحسبۃ فی الاسلام ـ احتساب اور اسلام (۲)	الاعتصام	لاہور	۲۳/ ”	”	ص ۶
حسن رضا	سود کی حقیقت	پیام	”	ستمبر	”	ص ۲۲
خلیل حامدی	اسلامی بنکوں کی عالمی تحریک	ترجمان القرآن	”	اکتوبر	”	ص ۲۵
سعد اسرائیلی، مولوی	اسلام اور قومی یک جہتی	برہان	دہلی	”	”	ص ۴۶
سیف الرحمن الفلاح، مولانا	قبروں کو پختہ بنانے کے متعلق قرآن و سنت کا حکم	ترجمان الحدیث	لاہور	اگست	”	ص ۱۶
” ” ”	” ” ”	”	”	ستمبر	”	ص ۱۳
شمس تبریز خاں	اسلام کا نیا معجزہ ـ ہریجنوں کا قبول اسلام	تعمیر حیات	لکھنو	اکتوبر	”	ص ۹
شوکت علی خاں	افریقہ میں دعوت دین کی ضرورت	فکر و نظر	اسلام آباد	اگست	”	ص ۴۸
شہاب الدین ندوی، مولوی محمد	خلافت ارض اور علما کی ذمہ داریاں	برہان	دہلی	اکتوبر	”	ص ۵
شہاب، پروفیسر رفیع اللہ	شریعت اسلامی اور انسانی اعضا کی پیوندکاری	فکر و نظر	اسلام آباد	”	”	ص ۶
” ”	کیا انسان خدا کا خلیفہ ہے؟	فروزاں	لاہور	جولائی	”	ص ۲۹
شیخ، ایم ایم	عصر جدید اور مذہب	تعمیر حیات	لکھنو	اکتوبر	”	ص ۱۷
صباح الدین عبدالرحمن، سید	اسلام اور مستشرقین ـــ فوائد یا نقصانات؟	الحق	اکوڑہ خٹک	ستمبر	”	ص ۲۵
صدیق الحسن لغاری	اسلام میں عورت کا مقام (۳)	لاہور	لاہور	۹/ اگست	”	ص ۶
” ”	” ” ” (۴)	”	”	۱۶/ ”	”	ص ۱۱
” ”	” ” ” (آخری قسط)	”	”	۲۳/ ”	”	ص ۱۲
عاصم بن عبداللہ آل معمر القریوتی، الشیخ	اثبات اعادہ روح (۲)	صحیفہ اہل حدیث	کراچی	۱۷/ ”	”	ص ۸

حاتم بن عبداللہ آل معمر القریونی، شیخ	اثبات اعادہ روح (۳)	صحیفہ اہل حدیث	کراچی	یکم ستمبر	۱۹۸۱ء	ص ۸
״ ״ ״ ״	״ ״ (۴)	״	״	۱۶ ״	״	ص ۱۲
عبدالحفیظ، پروفیسر	ذلیخا کے بارے میں ایک بحث	ترجمان القرآن	لاہور	״	״	ص ۲۲
عبدالرحمن کیلانی، مولانا	اسلام میں عقل پرست فرقوں کا آغاز	ترجمان الحدیث	״	اگست	״	ص ۵
״ ״ ״	عجمی تصورات کا پہلا دور	״	״	ستمبر	״	ص ۲۵
عبدالرشید عراقی، ملک	اثبات توحید اور علمائے اہل حدیث	״	״	اگست	״	ص ۳۹
״ ״ ״	״ ״ ״	״	״	ستمبر	״	ص ۳۸
قمر نقشبندی، ایس ایچ	تصوف کی حقیقت	انصاف	راولپنڈی	یکم ״	״	ص ۴
محمود احمد میرپوری، مولانا	انڈونیشیا کی تحریک محمدیہ	الاعتصام	لاہور	۷ اگست	״	ص ۴
״ ״ ״	״ ״ (۲)	״	״	۲۱ ״	״	ص ۶
محمد تقی عثمانی،	بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوۃ کا مسئلہ	البلاغ	کراچی	״	״	ص ۳
محمد سلیم، پروفیسر سید	انسان کی حقیقت	ترجمان القرآن	لاہور	اکتوبر	״	ص ۱۹
״ ״ ״	بنی نوع انسان پر اسلام کے احسانات	״	״	اگست	״	ص ۸
محمد شفیع، مولانا مفتی	صلوۃ و سلام کا صحیح طریقہ	البلاغ	کراچی	״	״	ص ۱۹
محمد یوسف لدھیانوی	مذہب و سائنس	بینات	״	ستمبر	״	ص ۳۴

دسویں صدی ہجری کی ادبی روایات کا سراغ

دیوان حسن شوقی

مرتبہ : ڈاکٹر جمیل جالبی

قیمت : پانچ روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱

Regd S. No. 1138
Monthly

QAOMI ZABAN

Phone : 217137
Karachi

مدیر :۔ شبیر علی کاظمی۔ کلیم الحسن نقوی کے زیر اهتمام انجمن پریس کراچی میں چھپ کر
انجمن ترقی اردو (پاکستان) ۔ بابائے اردو روڈ ۔ کراچی سے شائع هوا ۔